کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

ہوناں پھر پگلی

وہاج حسن جاہ مہمانوں سے فارغ ہو کر جب اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھے تو ان کے دل کی دھڑکنوں میں نہ کوئی طوفان موجزن تھا اور نہ ہی وجود میں ہلچل، نہ چال میں سرمستی تھی اور نہ ہی انداز سے سرخوشی جھلک رہی تھی۔ حتیٰ کہ پھولوں اور خوشبوؤں سے معطر سجا سنورا گھر بھی اس کے سوئے ہوئے جذبات میں محشر برپا نہ کر سکا۔

اور کرتا بھی کیوں۔ احساس تعلق سے وابستہ ہوتے ہیں۔ رشتوں سے منسلک ہوتے ہیں۔ جب رشتہ ہی ختم تھا تو پھر جذبے کیوں کر جنم لیتے۔ ان کے دل میں تو یہ تک احساس نہ تھا کہ جب اسے اتنی انوکھی رونمائی ملے گی تو اس کی کیفیت کیا ہوگی۔

وہ بڑے عام سے انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔ معاً نگاہ بیڈ پر پڑی۔ وہ بیڈ پر موجود نہ تھی۔ انہوں نے تحیر سے ایڑیوں کے بل گھوم کر دیکھا۔ وہ صوفے پر سادہ سوتی لباس میں صاف ستھرے چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بالکل ایسے جیسے کسی آفس میں بیٹھی ہو، جیسے ابھی ابھی کوئی ماتحت کوئی فائل لے کر آئے گا۔ اور وہ سائن کر کے اٹھ جائے گی۔ ان کی پیشانی پر یکلخت کئی لکیریں ابھریں۔ بڑے تیکھے چتون سے اسے دیکھا پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"آپ کے ڈرامے کی ابھی کتنی قسطیں باقی ہیں۔ مجھے ایک بار ہی بتا دیجئے۔"

اس کی حرکت پر وہ اندر ہی اندر اس طرح تلملائے تھے، جیسے سیر کو سوا سیر مل گیا ہو۔

اس نے ایک گرم سی نگاہ ان پر ڈالی، کچھ کہنا چاہا تھا۔

لیکن وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اسے تحقیر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"یہ جو لباس تبدیل کر کے، چہرے سے رنگ و روغن اتار کے آپ سکون و اطمینان سے بیٹھی ہیں، مجھ پہ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ میری پذیرائی نہ کر کے آپ اپنی اوقات میں اضافہ کر لیں گی تو ماہم جاہ، یہ آپ کی بھول تھی اور ہے۔"

ان کے جملے اسے بچھو کے ڈنک کی طرح لگے۔ چہرے پہ جو اطمینان نظر آ رہا تھا یکلخت ہی ہوا ہو گیا۔

"اوقات میں اضافہ سے کیا مراد ہے آپ کی؟" غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

"میں ایک پاک دامن لڑکی تھی اور ہوں۔" اس نے تفخر سے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

''پاک دامن۔ آہ۔ پاک دامن۔ جس لڑکی کے۔ اتنے دوست ہوں۔''

''منہ سنبھال کر بات کیجئے حسن جاہ!'' وہ تحکم سے تیز لہجے میں بولی۔ جیسے اس کی شہ رگ پر کسی نے چھری رکھ دی ہو۔ یکلخت ہی وہ کھڑی ہوگئی۔

''اوہ۔ بہت برا لگا آپ کو میرا انداز۔''

انہوں نے ٹائی کھول کر بیڈ پر پھینکی، پھر کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہنے لگے۔

''مگر مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو برا لگا ہو۔ کیونکہ پوز تو آپ واقعی خوب کر لیتی ہیں۔ کیوں لگا برا آپ کو یہ سب، اپنے چاہنے والوں کے نام خود ہی تو گنوانے آئی تھیں مجھے، میں تو نہیں گیا تھا آپ کے پاس پوچھنے، حساب کرنے کو کتنے لوگ آپ پر تھوک چکے ہیں اور ابھی کتنے باقی ہیں۔''

''حسن جاہ!'' وہ غصے سے کانپ گئی۔

''چلاؤ مت۔'' انہوں نے کوٹ بیڈ پر پھینکتے ہوئے سختی سے اسے حکم دیا۔ ''تمہیں شرم نہیں آئی یہ سب ناٹک کرتے ہوئے۔ اور اب شادی کے بعد جب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تو تمہارا ڈوب مرنے کو دل نہیں چاہے گا۔ یہ بات لوگوں کے منہ سے سن کر، واقعی ماہم جاہ ہسٹریا کی مریض تھی، اور شادی ہی اس کا واحد علاج تھا۔

لعنت بھیجتا ہوں میں تم جیسی لڑکیوں پر۔ جو اپنی غرض کے آگے اتنی خود غرض اور اندھی ہو جاتی ہیں کہ والدین کی عزت اور محبت کو بھی فراموش کر ڈالتی ہیں۔ ایک روز بھی ترس نہ آیا تمہیں اپنے باپ پر۔ ان کی حالت پر۔ کیسی۔ کیسی لڑکی ہو تم؟ نہ انسانیت ہے۔ تم میں نہ حیا اور نہ ہی ایمان۔''

''میں کہتی ہوں اگر آپ نے ایک لفظ بھی آگے بولا۔ تو۔ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تم سے برا ہو بھی کون سکتا ہے۔

''وہ بیڈ کے کنارے سکون سے ٹک گئے اور موزے اتارتے ہوئے بولے۔

''تم جیسی آوارہ۔ بد چلن۔''

''حسن جاہ آگے۔ آگے کچھ نہیں بولنا۔'' اس نے انگلی اٹھائی۔

ضبط کی انتہا تھی۔ تنفس تیز سے تیز ہوتا جا رہا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہاج حسن جیسا مرد اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔ اور وہ کتنے سکون سے یہ سب کہہ رہے تھے، نہ آواز اونچی ہو رہی تھی اور نہ اس کے جواب دینے پر سانسیں بے ہنگم۔

''میں اپنی تذلیل ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ سمجھے آپ۔ شرم آنی چاہیے یہ سب کہتے ہوئے آپ کو۔ بیوی ہوں میں آپ کی۔''

''بیوی!'' وہ تضحیک سے مسکرائے۔ ''بڑی خوش فہم حقیقت ہے، یہ آپ کے لیے'' انہوں نے گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

''آپ جیسی لڑکیاں سب کچھ بنائی جاسکتی ہیں۔مگر بیوی نہیں۔''

''آئینے میں بال سنوارتے ہوئے بڑے سکون سے کہا گیا۔اوراس کا بس نہیں چلا کہ کیا کرڈالے۔ان لفظوں پر کیا کچھ کردے۔

''اتنی بڑی گالی۔اتنی تضحیک۔

اس کا جی چاہا،اردگرد کچھ پڑا ہوتو جان تک لے لے اس شخص کی،جولاپروائی سے اس کی عزت تارتار کیے جارہا ہے۔اتنی دیر سے بلاوجہ ہی۔

''اگر یہی سب کچھ کرنا تھاتوانکار کیوں نہیں کردیا۔حسن جاہ؟''

''ہم۔مت۔ہمت۔نہیں تھی مجھ سے۔انکار کرنے کی۔''

''بڑاز وردے کر،گھوم کر جواب دیا گیا۔''بقول آپ کے۔مجھے توکوئی لڑکی ہونا چاہیے تھا۔بغاوت۔سرکشی بے حیائی کی مردانہ صفات تو آپ میں موجود ہیں۔''

''انتہا ہوگئی۔حسن جاہ!میں کس شجرہ نسب سے تعلق رکھتی ہوں،خوب جانتے ہیں آپ۔اور یہ جوموٹی تہمتیں آپ مجھ پرلگارہے ہیں۔اس سے آپ خودبھی اچھی طرح واقف ہیں،کہ یہ سب سراسر بے بنیادالزام ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔مجھے کیا معلوم۔تم اپنی سابقہ زندگی میں کیا کچھ کرتی رہیں۔اورکس کے انتظار میں تم نے چار ماہ تک ناٹک رچائے رکھا۔''

''بس کیجیے حسن جاہ۔خدا کے واسطے۔ورنہ۔''

ورنہ کیا؟''

''ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔''نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

''بخوشی۔!''انہوں نے مسکرا کر پورا کا پورارخ اس کی طرف موڑا۔''سب جانتے ہیں کہ تم ابنارمل ہو۔اورابنارمل لوگ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔''

''میں ابنارمل نہیں ہوں۔''وہ پوری قوت سے چلائی۔

مگرآوازاتنی پست تھی کہ بے بسی کے آنسوؤں میں رندھ گئی۔

''شادی کے پہلے ہی روزتمہاری بیماری بھاگ گئی۔یہی تکلیف تھی تمہاری؟''وہ تمسخر سے مسکرائے۔

''آپ اتنی گھٹیااورنیچ طبیعت کے مالک شخص ہیں۔میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ تم جیسی۔لڑکی میری شریک سفر ہوگی۔ذرابتاؤمیرے آنے سے قبل ہی تم نے دلہناپے کا روپ سنگھار کیوں اتاردیا۔کشش توان لڑکیوں کے لیے ہوتی ہے ناں۔ان باتوں میں جوان چھوئی ہوں۔بولوجواب دو۔ہے کوئی تمہارے پاس اس بات کا جواب۔''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

”ہاں ہے۔ اور وہ یہ کہ مجھے نہ آپ سے اور نہ آپ کی ذات سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی کوئی انسیت ہے۔ جب میرے دل میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں تو پھر کیوں میں اپنی کھلی ذات آپ کے حوالے کروں۔ سمجھے آپ، میں محبت کا سنگم دل سے چاہتی ہوں، وجود سے نہیں۔ اس لیے میں نے ایسا کیا۔ اور یہی جواز تھا جو میں آپ کو بتانے آپ کے آفس میں آئی تھی جسے آپ کے غبی ذہن نے گالی بنا کر مجھے لوٹایا ہے، جب میرے سامنے تمام راہیں مسدود ہو گئیں تو میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ پاپا کے اصرار پر سر تسلیم خم کر دیا۔ صرف ایک سوچ کے حوالے سے کہ نکاح ایک اٹوٹ بندھن ہے اور نکاح کے وقت ہی خدا فریقین کے دلوں میں محبت ڈال دیتا ہے۔ لیکن میں نے ابھی تک ایسا محسوس نہیں کیا اور جب تک میں ایسا محسوس نہیں کروں گا، ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی رہیں گے۔“ وہ قطعی انداز میں بولی۔

اس کی بات پر حسن جاہ کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ تن بدن میں آگ کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں گویا جہاں سے کھیل شروع ہوا تھا ابھی تک وہیں ہے، انہوں نے گہرا سانس خارج کیا۔

”بہت خوب۔ کیا ڈرامائی اور فلمی سچویشن ہے آپ کے دل کی۔ تو سنیے ماہم جاہ! جیسا آپ چاہ رہی ہیں ایسا تو شاید کبھی بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ پیاسے کو پیاس لگتی ہے اور بھوکے کو کھانے کی طلب۔ پیٹ بھرا بندہ عالی شان سے عالی شان دستر خوان چھوڑ کر چلا جاتا ہے“

وہ مٹھیاں بھینچے کھڑی ضبط سے سنتی رہی۔ کس کی مجال ہوئی تھی آج تک اس کے سامنے اس قدر بکواس کرنے کی۔

اور وہ کہہ رہے تھے۔

”پھر جب نکاح جیسی مبہم آس باقی تھی آپ کے لیے تو آپ نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا۔ خاندان میں لڑکوں کی کمی تو نہ تھی اور پھر لوگ باہر بھی آپ کے نام کا کشکول لیے کھڑے تھے، آپ کے امیدواروں کی اتنی لمبی قطار، کہ آپ صبح نکلتیں منتخب کرنے تو رات کو ہی لوٹتیں۔ پھر آپ نے میرے ہی حق میں ووٹ کیوں دیا؟ خاندان کا بے ضرر سا شخص۔ بقول تمہارے پاگل، بدھو، احمق۔ اس لیے ووٹ دیا میرے حق میں کہ تمہارے عیبوں کی پردہ پوشی کر لوں گا۔“

”بکواس بند کریں۔“

”چلاؤ مت۔ یہ تمہاری بھول تھی۔ تم جیسی لڑکیاں تو مفت بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ نکاح کا تکلف تو ناحق خواری ہے اور کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے دانت پیس کر کہا۔ ”اور ویسے بھی...... آپ کے اور میرے دل میں ایک دوسرے کے لیے جب کچھ ہے ہی نہیں تو پھر اس تکلف کی بھی کیا ضرورت ہے۔ تم نے کہا تھا کہ میں انکار کر دوں، مگر میں ایسا نہ کر سکا۔ اس لیے بھی کہ میں والدین کے حکم کی سرکوبی نہیں کر سکتا۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ کہ مجھے خاندان میں سرخرو ہونے کا مزید موقع مل رہا تھا۔ ایک پاگل لڑکی سے شادی کر کے میری توقیر میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تو پھر میں کیونکر انکار کرتا۔

میرے فعل نے تو خاندان میں ایسے ایثار کی مثال قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

”اتنا خود پسند شخص“ وہ آنکھیں پھاڑے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''تو آپ نے مجھ سے صرف اس لیے شادی کی کہ لوگ آپ پر فخر کریں؟''

تو تم کیا سمجھ رہی ہو کہ میں تمہاری محبت میں مر رہا تھا۔ یا اس قطار میں شامل تھا جو صبح شام تمہارے امیدواروں کی تمہارے گھر کے آگے لگتی تھی۔ راشن بانٹنے والے ڈپو کی طرح۔ ہاں۔ بولو۔''

''جتنا طنز کر سکتے ہو کرلو۔ یہ فیصلہ اتنا غلط ہوگا، میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ ملال سے کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔

''میری خواہش تو پوری ہوگئی۔'' وہ کہہ رہے تھے، مگر ضمیر ملامت کر رہا ہے۔'' وہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

''اور وہ یہ کہ تم جیسی عورت میری بیوی ہو۔ نہیں دل نہیں مان رہا۔ بیوی تو بہت عظیم ہوتی ہے تم جیسی تو مجھے بہت مل سکتی ہیں، پھر میں تمہیں کیوں بیوی بنا کر رکھوں۔ کیوں اپنی ہی نظروں میں گروں۔ اس لیے میں نے طلاق کے کاغذات نکاح سے پہلے ہی بنوا لیے تھے۔ اور پھر فوراً بعد ہی تمہارے حق میں دستبردار ہو گیا۔

''کیا......؟'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

وہ کیا کہہ رہے تھے، کیا یہ سچ تھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ جو تم اتنی دیر سے خود کو بار بار میری بیوی کہہ رہی ہو۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''کیا مطلب ہے؟ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہاج حسن، دوسرے کمرے میں گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد پلٹے۔ ان کے ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا۔

''یہ طلاق نامہ ہے۔ شرعاً قانوناً ہر لحاظ سے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے، ایک دوسرے پر حق ختم کر چکے ہیں۔ لیکن ایک چیز تم مجھ سے لینے کی حق دار ہو اور وہ ہے حق مہر۔ یہ لو اپنا حق مہر۔''

انہوں نے دوسرا لفافہ بھی اسکے آگے پھینک دیا۔ کتنی ہی دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی۔ جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اعصاب جیسے شل ہو گئے ہوں۔ لیکن پھر اسے جیسے یقین آ گیا۔

وہاج حسن جیسا خاندانی مرد یہ قدم اٹھائے گا۔ اسے امید نہ تھی، ہاں مگر یہ سب اگر اب نہ ہوتا تو کچھ روز بعد ہو جاتا۔ شاید اس کی طرف سے ہی خلع کی درخواست عدالت میں پہنچ جاتی۔ اتنا شکی؟ بد مزاج، کند ذہن، اجڈ قسم کا مرد، کیسے گزارا ہوتا۔ زندگی انتہائی تلخ ہو جاتی۔ لیکن۔ لیکن وہ ایک عزت دار خاندان کی عزت دار بیٹی تھی۔ کتنی بڑی قیامت تھی یہ اس کے لیے کہ شادی کی پہلی رات ہی طلاق یافتہ ہو گئی۔

ایک عورت کے لیے اس سے بڑا عذاب کیا ہوگا کہ اس کا شوہر اس پر بے بنیاد الزام لگا کر اس کے حق سے دستبردار ہو جائے۔ کتنی بے بس ہو جاتی ہے عورت اس لمحے، کوئی بھی تجویز نہیں اس قیامت کو روکنے کی۔ کوئی بھی سد باب نہیں، اتنا مضبوط رشتہ پل بھر میں تین لفظوں سے اس طرح ٹوٹ جاتا ہے جیسے کچا دھاگہ ٹوٹتا ہے۔

نکاح کے وقت جب تک دونوں فریقین کی طرف سے اقرار نہ ہو تو نکاح نہیں ہوتا۔ پھر طلاق کا حق صرف ایک ہی فریق کو کیوں۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

نکاح کے وقت عورت کی خاموشی بھی اقرار بن جاتی ہے۔

اور طلاق کے وقت وہ جتنا بھی چیخ کر انکار کر دے چھپ جائے۔ آنکھیں بند کر لے، پھر بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ کیسا رشتہ تھا یہ۔

اور کیسا انصاف تھا۔ وہ جو اتنی تعلیم یافتہ تھی، دولت مند باپ کی بیٹی تھی، خودسر تھی۔ خود اعتماد تھی، بے باک تھی۔ وہ بھی کچھ نہ کر سکی اس لمحے۔ جو اتنی بے دردی سے رد کر دی گئی تھی۔ مرد کا ایک یہی تو اختیار عورت کے تمام حوصلے پست کر کے رکھ دیتا ہے اور پھر جو یہ اختیار استعمال کر لیں تو پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ بلندی اور نہ پستی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود ریت کی مانند ہوا میں بکھر گیا ہے، وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

پھر ایسا لگا جیسے یکلخت حواس میں آ گئی ہو۔ یہ کیا ہو گیا تھا، وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دی۔ آگے کیا ہو گا۔ وہ کہاں ہے، اسے کیا کرنا ہے۔ وہ سب کو کیا بتائے گا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی۔

انہوں نے طلاق نامہ اس کے سامنے سے اٹھا لیا۔ پھر جیب سے لائیٹر نکالا اور اسے چنگاری دکھا دی۔

وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔ کاش کہ وہ سوچ سکتی کہ بعد میں کیا ہو گا۔ تو وہ یہ ثبوت جسے عورت چھپاتی ہے۔ یہ داغ، جسے پیشانی پر لگوانا نہیں چاہتی۔ کبھی بھی جلنے نہ دیتی۔ یہ تذلیل کا داغ سنبھال کر رکھتی۔ لیکن شاید اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ آگے کیا ہو گا۔ وہ تو حواس میں جب آئی جب، جب طلاق نامہ جل بجھ کر راکھ ہو گیا۔ انہوں نے اس کے ذرے سمیٹے، پانی کے بھرے ہوئے جگ میں ڈال دیے سارا پانی سیاہ ہو گیا۔ اس کی تقدیر کی طرح۔

''اتنے بزدل ہو حسن جاہ کہ اپنے ہی فیصلے کو مٹا رہے ہو۔ سورج کے آگے ہتھیلی کر دینے سے اندھیرا نہیں ہو جاتا۔ شاید آپ نے سوچا نہیں۔ برملا کہیے کہ آپ نے مجھے طلاق دی ہے۔ ہچکچانے کی ضرورت کیا ہے۔'' شکستہ سا لہجہ تھا اور انداز میں بے پناہ تھکن تھی۔ پھر درزریدہ سی نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگی۔

''اچھا کیا آپ نے یہ فیصلہ کر دیا۔ اگر یہ اب نہ ہوتا تو بعد میں ضرور ہو جاتا۔'' یکا یک انداز اتنا مضبوط اور خودسر ہو گیا تھا کہ وہ دیکھتے رہے۔ بڑی نفرت سے حق مہر کی رقم کا لفافہ اٹھایا اور ان کے منہ پر دے مارا۔

''یہ لیجیے میں نے آپ کو خیرات دی۔ میں ان چند سکوں کی محتاج نہیں ہوں۔ سمجھے آپ۔''

''ہاں، مگر جو آپ نے چار گھنٹے قبل اپنی عزت کا پرچم لگایا تھا، مجھ پاگل سے شادی کر کے، اس کے بارے میں نہیں سوچا کہ انجام کیا ہو گا؟''

اتنی حقارت تھی اس کے انداز میں کہ مقابل ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ سکون سے مسکرائے۔ ان کے چہرے پر، ان کی آنکھوں میں کیا تھا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ وہ اب ہنسے جا رہے تھے، وہ جو سمجھی تھی، نہیں سمجھنا چاہتی تھی۔ اس لیے ان کی دماغی حالت پہ شبہ کرنے لگی۔

وہ بڑی فتح مندی سے اس کی طرف بڑھے اور اسے شانوں سے پکڑ لیا۔ وہ تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔ آپ میرے لیے نامحرم ہیں۔''

وہ قطعی انداز میں نفرت سے بولی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ وہ لگ ہی نہیں رہے تھے کہ حسن جاہ ہیں۔ احساسات، چہروں کو اتنا بدل دیتے ہیں، اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''میں تمہارے لیے نامحرم کیسے ہو گیا۔ ہمارا نکاح ہوا ہے۔ جان من! چار گھنٹے پہلے۔''

''بکواس بند کریں۔ مجھے لگتا ہے آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ نفرت سے چلائی۔

''دماغ خراب۔ میرا۔ ہاہاہاہا۔ پاگل تو تم ہو ماہم جاہ تم۔''

اس نے غیر یقینی کیفیت میں انہیں دیکھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس کی سوچ جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

''مجھے بلیک میل کر رہے ہیں؟'' وہ لہجے کی کپکپاہٹ دباتے ہوئے بولی۔

''یہی سمجھ لو۔'' وہ سکون سے مسکرائے۔

''آپ جیسا کمینہ شخص میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔'' وہ نفرت سے پھنکاری اور باہر جانے لگی۔

''تو اب دیکھ لو۔ تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ماسوائے اس حسن کے۔'' انہوں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

''یا وحشت'' وہ چکرا کر رہ گئی۔

''شرم کیجئے۔ گھن آ رہی ہے مجھے آپ سے۔ مرد اتنا گر سکتا ہے۔ مت دکھائیے یہ روپ مجھے۔'' وہ پیچھے ہٹی۔

''گری ہوئی عورتوں کے ساتھ گرے ہوئے مرد ہی ہوا کرتے ہیں۔'' وہ سکون سے آگے بڑھے۔

''میں کہتی ہوں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔ میں کہتی ہوں مجھے ہاتھ مت لگانا میں شور مچا دوں گی۔'' اس کے انداز میں تحکم تھا مگر آواز میں واضح لرزش موجود تھی۔ آنکھیں چوکنا تھیں مگر وحشت سے۔

''مچاؤ شور۔ سب جانتے ہیں تم ابنارمل ہو۔ امید ہے سب کو کہ اس قسم کی آوازیں کمرے سے باہر آئیں گی۔ اس لیے کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ کیونکہ پاگل چیختے ہیں، چلاتے ہیں، ہنگامے کرتے ہیں۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' بے بسی سے اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

''آپ نے مجھے طلاق دے دی ہے۔'' آواز خوف سے پھٹی جا رہی تھی، سارا وجود پسینے سے شرابور ہو گیا۔

''کیا ثبوت ہے تمہارے پاس، کہ میں نے تمہیں طلاق دی؟''

''اس نے چونک کر جگ کی طرف دیکھا۔ کاغذ کے ذرّے پانی پر تیر رہے تھے۔ طلاق نامہ جلانے کی وجہ اس کی سمجھ میں اب آئی تھی، اس نے انگلی سے بدقت تمام جگ کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ...... یہ...... یہ ثبوت ہے۔'' وہ لاپروائی سے ہنسے، پھر اسے بازو سے پکڑا، دوسرے ہاتھ سے جگ اٹھایا اور کھینچتے ہوئے باتھ روم میں لے گئے۔ اور سارا پانی فلش میں انڈیل دیا، پھر تیزی سے باہر نکلے۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

''ہے کوئی ثبوت تمہارے پاس؟'' انہوں نے آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''خدا کے خوف سے ڈریے وہاج حسن۔ خدا کے قہر سے ڈریے۔ آپ خود تو جانتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا ہے۔''

بے بسی سے آنسو رواں تھے۔ ایسا خوف، ایسی کپکپی۔ ایسی گھبراہٹ اس سے پہلے کبھی محسوس نہ کی تھی۔

''میں اپنی جان دے دوں گی، شور مچا دوں گی۔ مجھے لاوارث اور بے بس مت سمجھنا۔ یہ جو فعل آپ نے کیا ہے اس کا گواہ میرا خدا ہے، میرا دل ہے۔ میں سب کو بتا دوں گی۔ اپنے پاپا کو بتا دوں گی۔ ایک عورت اس معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ میں اپنے پاپا کو سب سچ سچ بتا دوں گی۔ ہاں میں نے ڈھونگ رچایا تھا۔ لیکن آپ نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ سچ ہے، وہ حقیقت ہے۔ میں عدالت میں لے جاؤں گی آپ کو۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے آپ خود اقرار کریں گے کہ آپ خود میرے حق سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ میں معمولی لڑکی نہیں ہوں۔ بے بس و مجبور نہیں ہوں۔''

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ اس کے قریب آئے، سختی سے اس کا چہرہ اوپر کیا۔

''تمہاری باتوں کا کون یقین کرے گا۔ جب تم اتنا بڑا ڈھونگ رچا سکتی ہو تو یہاں بھی جھوٹ بول سکتی ہو۔ خدا جانتا ہے، مگر خدا شہادت دینے کے لیے ولی تو نہیں بھیجے گا۔ لوگوں کو تم بتاؤ گی تو تم پر افسوس کریں گے، پیچھے بیٹھ کر ہنسیں گے۔ انہیں یقین ہے کہ تم پاگل ہو۔ اور یہ یقین تم نے خود دلایا ہے اور جب تک تم عدالت میں جاؤ گی، کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ پھر عدالت ثبوت مانگے گی۔ ثبوت ہے نہیں۔ میں اگر جھوٹ پر قائم رہوں تو بھی فتح میری ہے۔ کہ تمہاری دیوانگی کے سرٹیفکیٹ میرے پاس موجود ہیں۔ عدالت تو...... کیا خاندان والے بھی اس بات کا یقین نہیں کریں گے۔ کیونکہ میرا سابقہ کردار فرشتوں جیسا تھا اور ہے۔ ہاں البتہ۔ تم سے سب کو ایسی احمقانہ گفتگو کی توقع یقیناً ہو گی۔ وہ یہ کہہ کر مسکرائے۔

''اور اگر میں سچ عیاں کر دوں؟''

''پھر تو ماہم جاہ۔ تم کہیں کی بھی نہیں رہو گی۔ حتیٰ کہ خود اپنی بھی نہیں۔''

''کیوں۔ کر رہے ہیں آپ ایسا؟'' اس نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے۔ وہ مزید کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔ بے تحاشا رو رہی تھی۔

''اس لیے کہ تم جیسی عورتیں اس قابل نہیں ہوتی کہ انہیں عزت دی جائے۔'' وہ بے رحمی سے بولے۔

''نہیں۔ حسن جاہ۔ نہیں۔ میں زندگی میں اس سے قبل کبھی بے بس نہیں ہوئی۔ میں نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں جوڑے۔ کبھی کسی کے پاؤں نہیں پکڑے۔ میں تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ خدا کے واسطے، میں بہت بری تھی، آپ تو فرشتوں جیسے ہیں۔''

لیکن اس کی تمام التجائیں۔ آہ و بکا۔ آنسو۔ سسکیاں، سب بے سود تھیں۔ کیونکہ اس وقت وہاں کوئی فرشتہ نہیں بلکہ شیطان تھا۔

☆ ☆ ☆

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

رات بھر اتنا روئی تھی کہ اب آنسو بھی سوکھ چکے تھے۔ کیسی رات تھی یہ۔ اتنی ہولناک، اتنی قیامت خیز، اس کا سب کچھ چھین کر لے گئی اور وہ بے بس مجبور کچھ بھی نہ کرسکی۔ کاش...... یہ بھیانک سپنا ہوتا...... لیکن نہیں وہ تو زندہ حقیقت تھی۔ ایسا ڈاکا پڑا تھا اس کی عزت پر کہ لٹ جانے کا ماتم بھی نہیں کرسکتی تھی۔ کوئی مقام نہیں رہا تھا اس کا خود اپنی ہی نظر میں، اپنے رب سے رو رو کر اتنی معافیاں مانگی تھیں کہ اب تو لب بھی دعا کے لیے ہلنا بھول گئے تھے۔ دست دعا میں اثر تھا نہ التجاؤں سے فائدہ۔ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ کچھ بھی۔

اس کا دل ذہن بالکل خالی تھا۔ آنکھیں ویران ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سکتہ کی حالت میں ہو۔ وہاج حسن، کب کمرے سے گئے، کون کون کمرے میں آیا۔ کیا کچھ ہوا۔ اسے کھلی آنکھوں نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ سنائی۔ وہ ایک ایک کو دیکھ رہی تھی، سن رہی تھی۔ مگر سمجھنا جیسے اس کے بس میں نہ تھا۔ سب اس کے ساتھ اس طرح پیش آرہے تھے، جیسی وہ کوئی کانچ کا نازک قیمتی انمول کھلونا ہو۔

سب جانتے تھے کہ وہ ابنارمل ہے اور پھر اس کا انداز بالکل ہونق چہرا۔ خالی خالی نگاہیں۔ اس بات کی تصدیق کر رہے تھے وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہی ہے۔

ورنہ ہر لڑکی کی زندگی کی یہ صبح تو بڑی یادگار بڑی انمول ہوتی ہے۔ شرماتی لجاتی۔ جھینپی جھینپی، بات بات پر سمٹ جانے والی۔ نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتی کہ آنکھوں سے دل کا حال عیاں نہ ہو جائے۔ ایسی کھلی ہوئی جیسے بہار کا تازہ پھول۔ کوئی قوس قزح کا رنگ۔ لیکن وہ تو کوئی اجڑا ہوا چمن لگ رہی تھی۔ کسی کو کیا معلوم تھا وہ کیسی قیامت سے گزری ہے۔

وہ پاگل نہیں تھی، مگر پاگل معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بن نہیں رہی تھی، بلکہ لگ رہی تھی۔

خواتین اور لڑکیاں کمرے میں بھری ہوئی تھیں۔ بچے اس شوق واشتیاق سے اب بھی اسی طرح دیکھ رہے تھے، جیسے کل دیکھ رہے تھے۔

لڑکیاں کچھ چھیڑ چھاڑ کرتیں تو بڑی خواتین آنکھوں سے منع کر دیتیں۔ گویا منع کر رہی ہوں کہ وہ اپنے حواس میں کب ہے۔

کسی کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ اس سے پوچھیں کہ تم اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔ ہمیں بتاؤ۔ بھلا کوئی کیوں پوچھتا، سب کے سامنے اس کا انداز چار ماہ سے یہی چل رہا تھا۔ کوئی خاص تبدیلی آتی تو کوئی اس کی بات پر غور کرتا۔

''ارے بھئی یہ کیا، دلہن اتنی اداس بیٹھی ہے؟''

اعظم چچا کی دلہن مہتاب جو خاندان کی چھوٹی بہو تھیں نے پوچھا۔ بڑی ہی شوخ وچنچل طبیعت کی مالک تھیں۔

انہوں نے کمرے میں آتے ہی ہلچل مچا ڈالی۔ ان کے آنے سے لڑکیوں کو بھی شہہ مل گئی۔ کمرے کا سکوت یکلخت ایسے ٹوٹا جیسے کسی نے جھیل میں کنکر مار دیا ہو۔ ادھر ادھر سے چٹکلے برسنے شروع ہو گئے اور وہ بس دیکھے جا رہی تھی۔

''دیکھو تو کیسی معصوم گڑیا لگ رہی ہے ہماری ماہم۔ روپ بھی تو کتنا آیا ہے۔''

کیا ان سب کو اس کی پیشانی پر گناہ کے داغ نظر نہیں آرہے۔

''ماہم جاہ۔ آنکھیں دنیا کا سب سے بڑا سچ ہے۔'' حسن جاہ کے لفظ سماعتوں میں بازگشت کرنے لگے۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جھکا لیں۔ کسی نے آنکھیں پڑھ لیں، تو وہ منہ چھپانے کے بھی قابل نہیں رہے گی۔۔

''ارے بھئی، ہم تو تمہاری چچی ہی ہیں۔ شرمانے کی بات کیا ہے ہم سے۔ ذرا یہ تو بتاؤ تمہیں دولہا میاں کیسے لگے۔ پسند بھی آئے یا بس گزارہ ہی کیا۔'' چچی خوب اپنے موڈ میں تھیں۔

''تائی جان اور بوا جی۔ پہلو بدل کر ان کی محفل سے اٹھ گئیں۔ البتہ منجھلی دونوں چچیاں خوب محظوظ ہو رہی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد مہتاب چچی کو تو اور بھی موقع مل گیا۔

''بھئی۔ وہاج کو تو بلاؤ۔ ہے کہاں وہ، دلہن تو ہم سے بول ہی نہیں رہی۔''

ماہم ہنوز خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''وہاج بھی اتنا ہی شرمیلا ہے اور تم بھی اتنا شرما رہی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے ساری رات ایک دوسرے سے شرماتے ہوئے گزر گئی ہوگی۔'' ساجدہ چچی کی بات پر بڑا بے باک قہقہہ پڑا۔

''واللہ...... پناہ...... پناہ...... یہ عالم ہے لڑکیوں کے ہنسنے کا اور شادی کے بعد ہنساؤ بھی تو نہیں ہنستیں۔'' فراج، اسد، زبیر۔ وغیرہ بھی اسی کمرے میں آگئے۔ پہلے لڑکیوں کو ہنسنے پر ٹوکا۔

پھر ماہم کو خاموش بیٹھا دیکھ کر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''تم لوگ دلہن کے کمرے میں کیوں آئے ہو؟'' سمیعہ اور رابعہ کو ناگوار گزرا۔

''دن میں ہی آئے ہیں رات میں تو نہیں۔'' اسد کا جواب تیار تھا۔ وہ دونوں ہی جھینپ گئیں۔ لڑکے دل کھول کر ہنسے۔

''ارے بھئی وہاج کو تو بلاؤ۔ کہاں رہ گیا وہ۔'' مہتاب چچی کو پھر یاد آیا۔

''ایسے چھپتا پھرتا ہے، جیسے کوئی جرم کیا ہو۔''

''بڑی چچی دلار سے بولیں۔ کہنے کا مقصد لڑکوں کو ذرا سی حیا دلانا تھا۔ لیکن وہ کہاں جھجکنے والے تھے۔

''اب یہ تو وہاج بھائی کو ہی علم ہوگا کہ انہوں نے جرم کیا ہے یا ثواب۔''

فراج گردن گھماتے ہوئے بولا۔ تو ایک بے ہنگم قہقہہ پھر پڑا۔ ساجدہ چچی نے مارنے کے لیے جوتی اٹھالی۔ ان کا یہی انداز تھا۔ ہنس بھی لیتی تھیں، پھر ٹوکنے کے لیے کبھی آنکھیں نکالنے لگتیں کبھی جوتی کی طرف ہاتھ بڑھا لیتیں۔

''پھر پوچھتی ہوں تجھے ابھی۔''

فراج کے جملے اس کے دماغ پر ہتھوڑے بن کر برسنے لگے۔ جیسے سب اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ جیسے سب کو علم ہے، سب ہی جانتے ہیں۔

وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ سب ہنسنے کھیلنے میں مگن تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت اکیلی ہے، اتنا بڑا دکھ، اتنا بڑا حادثہ۔ وہ تنہا

کیسے سہہ پائے گی۔

اسے لگ رہا تھا جیسے وہ برہنہ سر بازار کھڑی ہے، کیسے چھپائے خود کو کہاں جائے۔

''چل جا، جا کر وہاج کو بلا کر لا۔'' ساجدہ چچی نے فراج کو گھور کر کہا۔

''اعظم چچا کو مہم پر بھیجا ہوا ہے۔ دولہا کی دریافت کے لیے اور ان کے بعد سے تیسرا وفد جا چکا ہے۔ مگر آخری اطلاع آنے تک خبر یہ ہے کہ دولہا صاحب ابھی دریافت نہیں ہوئے ہیں۔''

وہ سکون سے کہہ کر بیٹھ گیا۔

اور دوسرے ہی لمحے اعظم چچا وہاج کو بہ زور بازو کھینچتے ہوئے لا رہے تھے۔

''بھئی۔ ان موصوف کو کوئی دولہا نہیں کہہ سکتا۔ وہ کمرے میں داخل ہو کر بولے۔

''السلام علیکم!'' خواتین کو دیکھ کر وہاج ٹھٹکے پھر مودب ہو کر سلام کیا۔

سلام کا جواب شاید ہی کسی نے دیا ہو۔ سب ان کی حالت پہ ہنس دیے۔ شکن آلود لباس۔ بکھرے بکھرے بال، خمار سے لبریز آنکھیں، بہکی بہکی چال۔

''بڑے قابل رحم لگ رہے ہو۔'' اعظم چچا نے انہیں صوفے پر پٹخا۔ پھر سانسیں ہموار کرتے ہوئے بولے۔

''سارے گھر میں جناب کو تلاش کیا۔ اور ملے کہاں سے۔ پوچھو۔''

''کہاں سے؟'' کورس میں پوچھا گیا۔

''اسٹور سے۔'' اعظم چچا نے بتایا۔

''اسٹور میں چٹائی پر لحاف میں لپٹے پڑے تھے۔ اور بچے ان پر کھیل رہے تھے۔''

''جیسے شیر پر چوہا کھیلتا تھا۔'' اسد نے اعظم چچا کے مبالغہ آرائی کو بڑھایا۔

وہاج ان کی بات پر جھینپ گئے۔ اور چہرہ جھکا کر آنکھیں مسلنے لگے۔

''اتنی نیند تو میاں ہمیں بھی نہیں چڑھتی تھی۔ اور لگتا ہے تم پر کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی ہے۔'' اعظم چچا نے کان میں سرگوشی کی۔ انہوں نے ٹپٹا کر پہلو بدل لیا۔

''دائیں بائیں بیٹھے لڑکوں نے بغور سنا اور جی بھر کر محظوظ ہوئے۔

''ایسا بندہ جو بڑا محتاط رہتا ہو۔ کبھی بے تکلف نہ ہوتا ہو، جب لوگوں کے چنگل میں پھنستا ہے، تو بس پہلو ہی بدلتا ہے اور کچھ نہیں۔'' زبیر نے مسکرا کر کہا۔

جواباً وہ بھی بس مسکرا کر رہ گئے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''آپ موصوف جو سوتے پھر رہے ہیں کیا دلہن نے ناشتہ نہیں کرنا۔ وہ بے چاری کب سے بیٹھی ہے۔ منہ ہاتھ دھو آؤ۔ سمیعہ ناشتا لے کر آ رہی ہے۔''

مہتاب چچی کی بات پر انہوں نے چونک کر دیکھا۔

''انہیں آپ نے ابھی تک ناشتا نہیں کرایا۔ ساڑھے گیارہ ہو رہے ہیں۔'' ان کی بات پہ بے اختیار قہقہہ پڑا۔

لوگوں کے ہنسنے پر انہیں اپنی حماقت کا احساس بری طرح ہوا تھا۔

''دولہا، دلہن اکٹھے ناشتا کرتے ہیں۔ تم تو ایسے کہہ رہے ہو۔ جیسے کسی مریض کے کھانے میں دیر ہو جائے تو فکر مند ہو جاتے ہیں۔'' چچی نے ازراہ مذاق کہا تھا، لیکن ماہم کو لگا جیسے واقعی اسے مریض سمجھا جا رہا ہے۔ وہاج حسن کا بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ تیزی سے اٹھے اور باتھ روم میں چلے گئے۔

''اچھا بھئی لڑکو! تم ایسا کرو، باہر جاؤ ہم ذرا دلہن کو تیار کر لیں۔'' مہتاب چچی نے سب کو باہر نکالا۔

''ہم بھی باہر جائیں۔'' اعظم چچا تساہل سے بیٹھے تھے۔ کان کھجاتے ہوئے بولے۔

''کیا آپ مردوں میں شامل نہیں ہیں؟'' زبیر نے دروازے میں گردن ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''لاحول ولا!'' وہ بری طرح سٹپٹا گئے۔ اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد ہی لڑکیاں اس جملے پر محظوظ ہو سکی تھیں۔ رابعہ اور عظمیٰ نے ماہم کے بالوں کا ہلکا سا جوڑا بنایا۔ پھر ہلکا ہلکا مناسب میک اپ کیا اور دوپٹے کو بڑی نفاست سے اس کے سراپے پر اوڑھا دیا۔

''زیور وغیرہ بعد میں پہنا لیں گے۔'' چچی نے منع کر دیا۔

''وہاج بھائی۔ جلدی آ جایئے۔ ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' سمیعہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی آواز لگائی۔

''مردانے سے پیغام آیا کہ اگر دلہن تیار ہو گئی ہوں تو اجازت دے دیجیے، کمرے میں آنے کی۔ کیونکہ دانش اور منصور تصاویر بنانے کے لیے بہت بے چین ہیں۔ بے چینی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رات بھی امی حضور نے انہیں ڈپٹ کر بھگا دیا تھا۔'' جویریہ نے آ کر بات مکمل کی۔

''ٹھیک ہے۔ انہیں اندر بھیج دو۔'' چچی ساجدہ اور مہتاب نے کہا۔ وہ سب بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئے۔ وہاج باتھ روم سے آستینوں کے بٹن بند کرتے ہوئے نکلے۔

''لیجیے۔ دولہا آ گئے۔ ویسے تو بہت ہی میلے کچیلے لگ رہے ہیں۔ لیکن دلہن کے پہلو میں بٹھا دیجیے ہو سکتا ہے کچھ رونق آ جائے۔''

''وہ جو وہاج کے سامنے سے کترا کر گزر جاتے تھے، اب انہیں بھی زبان لگ گئی تھی۔ بلکہ انہیں بھی چھیڑنا آ گیا تھا۔ ایسے ہی ہلکے پھلکے انداز میں جملہ بازی ہو رہی تھی۔

ساجدہ اور مہتاب نے پہلے ماہم کو صوفے پہ بٹھایا، سمیعہ جلدی جلدی ناشتا سینٹرل ٹیبل پر سجانے لگی منصور نے فلش آن کر دیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''تصویر اس طرح لینا کہ ناشتا اور برتن بھی آئیں۔'' وہ اترا کر بولی۔ ''ماشاء اللہ خواتین کا بھی جواب نہیں۔ اپنی سلیقہ شعاری کا علم کہیں بھی گرنے نہیں دیتیں۔''

کمرے کا ماحول بہت خوشگوار اور ہلکا پھلکا تھا۔ پھر انہوں نے وہاج کو ماہم کے قریب بٹھا دیا۔

ان کے قریب بیٹھتے ہی وہ جیسے حواس میں آ گئی۔ رات کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا چلا گیا۔ ایسا لگا جیسے وہ اب جاگی ہے۔

اپنی پامالی کا احساس پوری طرح سے رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا، وہ کیوں چپ رہے۔ سب کو بتا دے گی۔ یہ انسان نہیں بھیڑیا ہے، درندہ ہے، شیطان ہے، وہ ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رہ سکتی۔ وہ یہ پردہ چاک کر دے گی۔

''ارے بھئی ذرا قریب ہو کر بیٹھو، تمہارے انداز نشست سے تو یوں لگ رہا ہے، جیسے تم دونوں علیحدہ علیحدہ سمتوں میں پرواز کرنے والے ہو۔''

چچی نے ماہم کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب کرنا چاہا۔ لیکن اس نے سختی سے ہاتھ چھڑا لیا اور کھڑی ہو گئی۔

''کچھ نہیں یہ میرے۔'' وہ وحشت سے چلائی۔

''سب ہکا بکا رہ گئے۔ جیسے اسٹاپ کر دیے گئے ہوں۔

''بھول ہے یہ آپ لوگوں کی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پاگل نہیں ہوں میں، اور یہ آدمی...... انسان نہیں ہے۔''

جانے وہ آگے کیا کہنا چاہتی تھی کہ چچی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ساتھ ہی اشارتاً لڑکوں کو باہر جانے کا بھی کہہ دیا۔

وہاج سر جھکائے بیٹھے رہے۔

سمیعہ بھاگ کر جلدی سے امی کو بلا لائی۔

ان کے ہمراہ دوسری خواتین بھی آ گئیں۔

''آپ میری بات کا یقین کریں۔ یہ میرے کچھ نہیں لگتے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔''

وہ بے بسی سے روتے روتے چچی کی بانہوں میں مچل گئی۔

سب کو ماہم کی ذہنی حالت پہ بے پناہ ترس آ رہا تھا اور وہاج حسن بیٹھے ہوئے الگ قابل رحم لگ رہے تھے۔

''اے میری بچی کو کیا ہوا۔'' تائی جان نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔

''آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟'' اس نے ملتجی نگاہوں سے سب کو دیکھا۔ پھر سر جھکائے درندے نما انسان کو دیکھ کر زخمی شیرنی بن گئی۔

''یہ انسان نہیں ہے۔''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''ماہم بیٹا! سنبھالو خود کو۔'' تائی جان رو بھی رہی تھیں اور اسے سنبھال بھی رہی تھیں۔ وہ اتنی بے بس ہوگئی کہ کسی بھی چیز پر بس نہیں چلا تو میز ہی الٹ ڈالی۔

''ماہم بیٹا! میری بات تو سنو۔'' تائی اماں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا اور تین چار خواتین کی مدد کے ساتھ وہ بیڈ تک آ گئی۔

''تائی جان میں پاگل نہیں ہوں۔ میں پاگل نہیں ہوں، آپ یقین کریں۔ یہ شخص مجھے طلاق دے چکا ہے۔ میں اس کی کچھ نہیں لگتی۔''

اس کے جملوں پر سب ششدر رہ گئے۔ وہ کیا انٹ شنٹ بک رہی تھی۔ بھلا وہ ایک رات کی دلہن جو ہوش وحواس میں ہو۔ یہ سب کیسے کہہ سکتی تھی۔ بڑی ناممکن اور غیر یقینی بات تھی۔ وہ جتنا بول رہی تھی۔ اتنا ہی ثابت کر رہی تھی کہ وہ پاگل ہے۔ اس کی گفتگو سے خجل ہو کر لڑکیاں بھی کمرے سے نکل گئیں۔

باہر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ سب ماہا کی حالت سے زیادہ وہاج پر ترس کھا رہے تھے۔ ان کی ہمت وضبط کو داد دے رہے تھے۔

وہ سمجھا سمجھا کر ہلکان ہوگئی۔ کسی نے اس کی بات کا یقین ہی نہیں کیا۔ وہ بے دم ہو کر تائی اماں کے سینے سے لگ کر پھوٹ کر رو دی۔ بڑا سکون ملا تھا ان کی آغوش میں اسے۔ جیسے وہ پناہ میں آ گئی ہو۔

''یا اللہ میرے بچے کو ہمت واستقامت عطا فرما۔ اور اس بچی کو شفا دے۔ اس پر رحم کر۔ اسے عقل وخرد عطا فرما دے۔'' بلقیس بیگم دل ہی دل میں اپنے رب جلیل کے سامنے دعا گو تھیں۔

آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ اسے پانی پلا کر انہوں نے سکون سے لٹا دیا۔ کمرے سے آگے پیچھے خواتین اشک صاف کرتے ہوئے نکل گئیں۔

سمیعہ نے ہارون کو فون کر کے ماہم کی دوا کا کہہ دیا تھا جو اسے ایسی حالت میں دی جاتی تھی۔ سب لوگ کمرے سے نکل گئے۔ وہ بے دم سی پڑی رہی۔

خالی آنکھوں، خالی ذہن، وہ چھت کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہاج اپنی جگہ سے اٹھے، پھر قریب آ کر اس پر جھک گئے۔

''میرا خیال ہے اب تمہیں اچھی طرح سے یقین آ گیا ہوگا کہ تم واقعی پاگل ہو؟''

اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ دو اشک بند آنکھوں سے نکلے اور بہتے چلے گئے۔ جیسے بے بسی کی تحریر رقم کر رہے ہوں۔

''میں نے کہا تھا ناں ماہم جاکہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکوگی۔ باوجود چاہت کے مجھ سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتیں۔

وہ مسکراتے ہوئے سیدھے ہو گئے۔ ''اس بات کا ثبوت تو تمہیں مل گیا ہوگا۔ اور اگر چاہو تو مزید کوشش کر دیکھو۔ کامیاب ہوگئیں تو بڑی خوش قسمتی ہوگی۔'' انہوں نے بڑی لاپرواہی سے کاندھے اچکا کر کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

اتنی تذلیل۔ کون ہوتے ہو تم مجھے سزا دینے والے۔

بھلا کون......؟ وہ کروٹ لے کر سسک پڑی۔

اور جانے دوا کا اثر تھا۔ یا رتجگے کا۔ شام ساڑھے سات بجے آ کر سمیعہ نے اسے جگایا۔ بھوک کا احساس اس پر پوری طرح غالب تھا۔

سمیعہ اس کے لیے ہلکا سا ناشتا لے کھڑی تھی۔

''کل رات سے تم نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اور اب بھی یونہی سو رہی ہو۔ کچھ کھا لو۔ پھر سو جانا۔''

وہ دوستانہ ماحول میں کہہ کر ناشتا میز پر رکھنے لگی۔ اس وقت صرف کھانے کی طلب تھی اور کچھ بھی نہیں۔ اس لیے وہ خاموشی سے اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ پھر آہستہ روی سے چلتے ہوئے میز کے قریب آ گئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ہلکی غذا اس لیے لائی ہوں کہ کافی دیر فاقے کے بعد بھاری غذا نقصان دہ ہوتی ہے۔ بقول امی کے۔ اسکے بعد جو تم کہو گی لے آؤں گی۔'' سمیعہ نے مسکرا کر کہا اور چائے بنانے لگی۔

جواباً وہ مسکرا دی۔ پہلی بار وہ اس طرح مسکرائی تھی کہ اس کی شگفتہ مسکراہٹ سے سمیعہ کو کچھ سکون سا ہوا۔

''نہیں شکریہ۔ مجھے چائے کی ہی طلب ہو رہی تھی۔''

''چائے کے ساتھ ناشتا بھی ہے۔'' سمیعہ جھٹ بولی۔ وہ مسکرا کر ناشتا کرنے لگی۔

دوسرا کپ سمیعہ نے اپنے لیے بنا لیا۔ اور وہیں اسکے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں خاموش تھی۔

کوئی اور وقت ہوتا تو سمیعہ اس سے اس وقت ہزاروں باتیں کر لیتی۔ لیکن اب بات کرنے سے پہلے ہر وقت یہی احساس رہتا کہ اس سے کیا بات کی جائے۔

''سمیعہ!''

''ہاں''

''ایک بات پوچھوں۔''

''ہاں، پوچھو۔'' سمیعہ ہمہ تن گوش تھی۔

''کیا تم مجھے پاگل سمجھتی ہو''

''نہیں تو'' وہ جلدی سے بولی۔

''کیوں؟'' وہ تلخ ہونے لگی۔

آخر کیوں بہلا رہے تھے اسے سب۔

سمیعہ خاموش ہو گئی۔ بھلا کیا جواب دیتی، اس سے کسی بھی بے ہنگم حرکت کی توقع ہو سکتی تھی۔

ماہم کو اپنی تلخی اور سخت لہجے کا احساس ہوا۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

''جتنا ہنگامہ کروگی۔ اتنا ہی ثابت ہوگا کہ تم ابنارمل ہو'' وہاج حسن کے لفظ بازگشت کرنے لگے۔

اس نے سکون سے گہرا سانس خارج کیا۔ اسے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت یہ سوال تو بڑا بے معنی ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا، سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ اسے سمجھداری سے کوئی راہ نکالنی ہے۔

تھوڑے توقف کے بعد پھر بولی۔ ''سمیعہ'' لہجے کی حلاوت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔''

''ہاں بولو۔''

''تم اپنے بھائی کے بارے میں کتنا اور کس حد تک جانتی ہو؟''

''اس سوال پر سمیعہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اگر تم ہوش وحواس میں ہوتیں تو پہلی ہی ملاقات میں جان لیتیں کہ میرا بھائی کتنی محبت کرنے والا ہے۔ نرم، ٹھنڈے مزاج کا مرد ہے۔ ایسا منفرد شیریں گفتار اور دھیمے لہجے والا کہ پورے خاندان میں ان جیسا ایک بھی مرد نہیں، کاش ماہم تم سمجھ سکتیں۔''

''سمیعہ نے اس کی طرف دیکھ کر چائے کی پیالی رکھی اور پھر کہنے لگی۔

''میں اپنے بھائی کے بارے میں صرف اتنا کہوں گی کہ دنیا میں فرشتے نہیں ہوتے۔ لیکن وہاج بھائی جانے دنیا میں کیسے آگئے۔'' وہ اتنے مستحکم لہجے اور مان سے بولی کہ ماہم کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ عود کر آئی۔

سمیعہ نے اس کی تلخی کو محسوس کیا، پھر پیار سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''میں اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ لیکن ان کی ذات سے زیادہ ان کی طبیعت سے متاثر ہوں۔ یہ غصہ، رعب۔ طنطنہ، مغلوب کرنے کی طاقت، ان سب باتوں نے مردوں کی انفرادیت کو ختم کر ڈالا ہے۔ ہر مرد ان ہی ہتھیاروں سے لیس نظر آتا ہے لیکن میرا بھائی ان سب چیزوں سے ماورا ہے۔ اسی لیے منفرد اور پرکشش ہے اور بے حد سلجھے ہوئے ذہن کا مالک ہے۔''

''تمہارا بھائی ہے ناں۔ اس لیے ایسا کہہ رہی ہو'' وہ تلخی سے بولی۔

''ہرگز نہیں۔ تم فراج کے بارے میں پوچھ لو۔ وہ بھی تو میرا ہی بھائی ہے۔ میں ذرا بھی مبالغہ آرائی نہیں کروں گی، اور صاف بتادوں گی، ایک نمبر کا بدمعاش ہے، کاہل وجود اور لفنگا ہے۔ ''سمیعہ نے مسکرا کر کہا۔'' جبکہ وہاج بھائی۔ سب سے یکسر مختلف اور شریف النفس انسان ہیں۔ اور میں ہی نہیں تم کسی سے بھی پوچھ لو، انہیں پرکھ کر دیکھ لو۔ اور ان کا سابقہ کردار تمہارے سامنے ہی تو تھا'' وہ بس سوچ کر رہ گئی۔

''اگر کوئی تم سے آکر یہ کہے کہ تمہارے بھائی نے کسی کا قتل کیا ہے، تو کیا یقین کرلوگی؟'' اس نے تھکے ماندے سے انداز میں پوچھا۔

''کبھی بھی نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چاہے بتانے والا میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ میں یقین کر ہی نہیں سکتی۔'' وہ قطعی سے انداز میں بولی۔

''بھائی نے تو آج تک کوئی مکھی بھی نہیں ماری۔ قتل تو خواب کی بات ہے، وہ قتل تو کیا جبر بھی نہیں کرسکتے۔ اس قدر حساس دل کے مالک

ہیں وہاج بھائی۔"

"سمیعہ کے وثوق اور انداز پر ماہم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ جیسے صرف سمیعہ ہی نہیں پورا خاندان پکار پکار کر یہی کہہ رہا ہو۔

"اور تم میری بات کا کتنا یقین کرو گی؟"

"اس نے سمیعہ کی طرف دیکھا۔ سمیعہ سٹپٹا گئی، اس کا پہلو بدلنا ہی ماہم پر ثابت کر گیا کہ کسی بات کا بھی نہیں، کیونکہ تم حواس میں ہو ہی نہیں۔ لیکن دل رکھنے کو سمیعہ نے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ اور چائے کی پیالی لبوں سے لگائی۔ یکلخت ہی وہ آگ بن جاتی اور لمحے میں برف۔ بھلا ایسی لڑکی نارمل کیسے ہو سکتی تھی۔ جو سب کچھ جانتی بھی تھی، پھر بھی عجیب و غریب سوال کر رہی تھی۔

سمیعہ نے چوری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس نے پرسکون انداز میں چائے کی پیالی میز پر رکھی۔ دفعتاً نگاہیں سامنے گئیں۔

وہاج دروازے میں کھڑے تھے۔ فتح مندی کی مسکراہٹ کے ساتھ۔ انہیں دیکھ کر وہ ہق دق رہ گئی وہاج فوراً دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

سمیعہ نے برتن سمیٹے اور جانے لگی، اس نے سمیعہ کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ کی کپکپاہٹ بڑی معصوم تھی۔ جیسے دوسرے کمرے میں کوئی موت کا فرشتہ اسے نگلنے کے لیے تیار بیٹھا ہو۔ وہ کیوں رہ گئی تھی یہاں وہ کیوں بھول گئی تھی کہ سورج پھر ڈوبے گا۔

اور اس کی ذہنیت کا ایک ورق پھر سے سیاہ ہو جائے گا۔ وہ کیوں نہیں چلی گئی یہاں سے۔ کیوں رہ گئی سمیعہ رسان سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"سمیعہ! مجھے لینے کوئی بھی نہیں آیا۔" اس کی آواز خوف و سراسیمگی سے رندھ گئی۔

"چچا اور ہارون لینے آئے تھے تمہیں۔ بہت ساری مٹھائی اور پھل کے ہمراہ لیکن اس وقت تم سو رہی تھیں (دانستہ نہیں کہا والے کر) چچا تمہیں پیار کر کے چلے گئے۔ کل صبح ہارون تمہیں لینے آئے گا۔ اب تو رات ہو چکی تھی۔ اس لیے امی نے منع کر دیا۔ ویسے منصور اور شعیب وغیرہ تمہاری تصاویر بنانے کی خواہش میں اب بھی نیچے ڈرائنگ روم میں ڈیرے ڈالے پڑے ہیں۔ اگر تم خود کو فریش محسوس کر رہی ہو تو تیار ہو جاؤ۔ نیچے چلتے ہیں، اور اگر طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آرام کر لو۔"

پھر رسان سے قمیص کا دامن چھڑاتے ہوئے کہنے لگی۔ "تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھائی آ گئے ہیں۔ امی نے انہیں جلدی اس لیے بھیجا ہے کہ تم خود کو اکیلا محسوس نہ کرو۔"

"نہیں۔ سمیعہ! مجھے۔ مجھے تمہارے بھائی سے ہی تو ڈر لگ رہا ہے۔"

اس کی آواز خوف سے پھٹ گئی۔ آنسو زار و زار بہنے لگے۔ اور پھر وہ بے چینی سے کھڑی ہو گئی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ مجھے یہاں

سے لے چلو۔ خدا کے واسطے۔ مجھے بچالو۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔''

سمیعہ اس کی چیخ وپکار سے ہکا بکا رہ گئی۔ وہ ایسی صورت حال میں کیا کرتی۔ نیچے جاتی تو اتنے سارے لوگوں میں پھر تماشا بنتا۔ بے شک سب جانتے تھے کہ وہ ابنارمل ہے۔ لیکن اپنا بھرم بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

پھر امی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اسے دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتیں۔ اس نے ماہم کو پیار سے وہیں بٹھالیا۔

''ماہم! تمہیں بھائی سے کیوں ڈر لگ رہا تھا، اتنے اچھے ہیں بھائی۔''

سمیعہ کی آواز گلوگیری ہوگئی۔ کتنا دکھ ہو رہا تھا اسے ماہم کی حالت پر۔ کاش وہ بالکل صحیح ہوتی تو آج اپنے جیون ساتھی پر فخر کرتی۔ اس نے ترحم آمیز نظروں سے ماہم کی جانب دیکھا۔

''میرا خیال ہے سمیعہ! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم جاؤ۔ اگر یہ گئیں تو ناحق تماشا ہوگا۔''

وہاج بڑے پرسکون انداز میں دوسرے کمرے سے نکلے۔ انہیں دیکھ کر سمیعہ کو...... کچھ سکون کا احساس ہوا کہ ماہم اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ باہر بھاگنے کے لیے تیار تھی۔ وہاج کمرے میں آگئے تو ماہم ساکت وصامت ہوگئی۔ جیسے اگر ذرا بھی جنبش کی تو چھت اس کے سر پر آن پڑے گی۔ یا زمین پاؤں کے نیچے سے نکل جائے گی۔

''بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں ماہم۔ تم آرام کرو۔'' سمیعہ نے ملائمت سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

وہاج حسن اس کے پیچھے دروازے تک گئے اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹے۔

اور اسے لگا جیسے وقت پلٹ کر پھر کل پر چلا گیا ہو۔

☆ ☆ ☆

ایک صبح اور اسی قیامت سے بیدار ہوئی۔ ناشتے کے بعد ہارون اسے لینے آگئے۔

''ہیلو مائی سویٹ سسٹر مانو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگاتے ہو بولا۔ ہارون کو دیکھ کر اسے جانے کیسا احساس ہوا۔ ایسا لگا جیسے اس کا سگا بھائی آ گیا ہو۔

اس کا محافظ، اس کا مان، اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں پانی امڈ آیا۔

''ارے۔ ارے۔ ارے تم رو رہی ہو۔ کتنی غلط بات ہے۔ سب سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں رلایا ہے۔ شاباش جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آنسو صاف کرو اور گھر چلو۔ سارے گھر میاؤں۔ میاؤں کی آوازوں کے بغیر ہاؤ۔ ہاؤ کر رہا ہے۔''

''تو تم نے بھوں۔ بھوں کرنا چھوڑ دیا؟''

فراج نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہارون کی صفت بیان کی۔

''جی ہاں۔ جب سے آپ لوگ ہماری مانو کو لے کر آئے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اتنے میں وہاج بھی آگئے۔'' السلام علیکم دولہا بھائی۔'' ہارون نے شرارت سے سلام کیا۔

جواباً وہ بھی سادگی سے مسکرائے۔

سلام کا جواب دے کر اسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''وہاج بھائی! یہ تو ہمیں پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ ماہم بھابی کو گھر میں پیار سے مانو کہا جاتا رہا ہے۔''

فراج نے جان بوجھ کر موضوع بڑھایا کہ ماہم بھی ان کے اس لطیف سے مذاق میں حصہ لے۔ خواہ تھوڑی دیر کو مسکرا ہی دے۔

''تو اور کیا۔'' ہارون نے ہنس کر بتایا۔ ''اور وہاج بھائی۔ جب یہ آپ کو تنگ کرے نا۔ تو آپ۔ شش۔ شش۔ کر دینا۔ فوراً بھاگ جائے گی۔''

فراج، سمیعہ، جویریہ کے ہمراہ ہارون کی بات پر وہاج بھی بڑا دل کھول کر ہنسے تھے۔

اور وہ بالکل خاموش لب بھینچے بیٹھی تھی جیسے کچھ سن ہی نہ رہی ہو۔

کیسے ہنستی۔ کیوں ہنستی۔ کچھ بچا تھا ہنسنے کے لیے سوائے اپنے حال پر۔ سب ہنستے ہوئے اسے زہر لگ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس پر ہنس رہے ہوں۔ اس کا دل چاہا سب کے منہ نوچ ڈالے۔

''کیوں ہنس رہے ہو تم لوگ؟'' اس نے بڑے تلخ انداز میں چڑ کر پوچھا۔

سب یک بیک خاموش ہوگئے۔

پھر اسے احساس ہوا کہ وہ سب اپنی بات پر ہنس رہے تھے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

وہ اس پر تو نہیں ہنس رہے تھے۔ اس طرح کرنے سے وہ پاگل ثابت ہو رہی ہے۔ وہ سچ مچ پاگل ہو جائے گی۔

''میرے خدا۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر۔

☆ ☆ ☆

پاپا کے گلے سے لگ وہ کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔

بے آواز ان سے معافی مانگتی رہی۔

مجھے معاف کر دیجئے پاپا۔ میں نے آپ کو بہت تنگ کیا ہے، بہت پریشان کیا ہے۔ والدین کا دل دکھانے والی اولاد کبھی بھی سکون سے نہیں رہ سکتی۔ بے شک آپ نے مجھے کبھی بددعا نہیں دی ہوگی۔ لیکن مکافات عمل تو...... ضرور ہوتا ہے چاہے اس دنیا میں چاہے اس دنیا میں، اور شاید یہی میری سزا ہے کہ میں دن رات کانٹوں پر آبلہ پائی کا سفر طے کرتی رہوں۔

میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ کہ میں پاگل نہیں ہوں، اگر آپ کو یقین آ گیا تو آپ کو کتنا دکھ ہوگا کہ آپ کی اولاد نے آپ کو دھوکا دیا۔ اتنا بڑا جھوٹ کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ سہنا تو دور کی بات ہے۔ اور پھر جیسے جیسے سب پر راز منکشف ہوں گے آپ دکھوں کی دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے، آپکی بیٹی نے آپ کو اذیت دی۔ پہلا دکھ، پھر وہ طلاق یافتہ ہوگئی۔ دوسرا دکھ اور پھر وہ کہیں کی بھی نہیں رہی۔ تیسرا دکھ، آپ تو جیتے جی مر جائیں گے پاپا۔ پھر میرا کون ہوگا دنیا میں۔ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا میرا تو۔ اس دنیا میں۔ تو پھر میں ہی کیوں نہ مر جاؤں۔ خودکشی حرام ہے۔ مگر ہر روز حرام موت مرنے سے تو بہتر ہے کہ ایک بار ہی خود کو ختم کر لوں۔''

پاپا کے پاس وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی، کس طرح والہانہ پیار کر رہے تھے وہ۔ جیسے وہ اور بھی انمول اور قیمتی ہو گئی ہو۔

بار بار ملازم کو آواز دے کر اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں منگوا رہے تھے۔ گھر کا گھر اس کے آگے پیچھے تھا اور وہ خاموش تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں مصمم ارادے کے ہمراہ آئی۔ دروازہ بند کیا۔ کچھ بھی کر لے گی مگر زندہ ہرگز نہیں رہے گی۔

سامنے دیکھا تو چونک گئی۔ صاحباں۔ زمین پر بستر لگائے بیٹھی تھی۔

''تم۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انتہائی تلخ لہجے میں پوچھا۔ جیسے بلا وجہ ہی کوئی اسکے منصوبے میں مخل ہو گیا ہو۔

''بی بی جی۔ صاحب کا آرڈر ہے کہ میں اڑتالیس گھنٹے آپ کے پاس رہوں اور ایک لمحہ بھی آپ کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔''

اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کو ہو گئیں۔

''لیکن کیوں؟'' وہ چلائی۔

''اس لیے جی۔ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔''

صاحباں نے نظریں جھکا کر سادگی سے کہا۔ اور وہ چکرا کر رہ گئی۔ ایک دم ہی۔

ڈاکٹر ہاشمی کے الفاظ سماعتوں میں بازگشت کرنے لگے۔

''ہوسکتا ہے، شادی کے بعد یہ خودکشی پر آمادہ ہو جائیں، کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسے مریض میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کو گناہ

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سمجھتے ہیں۔ اس لیے شادی کے بعد ان کا خاص رکھنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ پھر اس بات کو قبول کر لیں گی۔''

''مائی گاڈ!'' وہ چکرا کر بیڈ پر گر گئی۔ جیسے چاروں طرف سے اس پر جال تنگ ہو رہا ہو۔ تمام راہیں مسدود ہو گئی ہوں۔ اور وہ بے بس پنچھی کی طرح پنجرے میں پھڑپھڑا رہی ہو۔ نہ آزادی کا راستہ تھا اور نہ موت آسان تھی۔ ماضی کے دریچے اس پر کھلتے چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

عشق کرو گے تو کماؤ گے نام!
تہمتیں بٹتی نہیں خیرات میں
عشق بری شے سہی پر دوستو
دخل نہ دو تم میری ہر بات میں

''سنا......'' قمر نے مسکرا کر عاجز آ کر شعر پڑھا۔ ''اوہ تو گویا رنگ چڑھ ہی گیا۔ ذرا ہمیں تو دکھاؤ آج تمہارے...... پاکھنڈی منگیتر نے تمہیں کیا لکھ بھیجا ہے، جو تم اتنا خوش ہو رہی ہو۔ اور ہم پر پابندیاں لگا رہی ہو، کہ ہم دخل در معقولات کی جسارت نہ کریں۔'' اس نے قمر کے ہاتھ سے گلابی خوبصورت کاغذ چھینتے ہوئے کہا۔

''آ......ہم......''

میری آرزو ہے کہ غیروں کو بھی!
میرا نام لے کر پکارا کرو!

''اب اتنا بھی اچھا نام نہیں کہ پوری کائنات میں بانٹ دیا جائے۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''چھوڑو میرا خط۔'' قمر نے کاغذ چھین لیا۔

لیکن اس نے دوسرا خط اٹھا لیا۔

پھر باآواز بلند پڑھنے لگی۔

یہ ستم اور عین اس رُت میں
آپ برسات میں نہیں آتے
کیا کروں اے عدم مزاج اُن کا
وہ میری بات میں نہیں آتے

بہت بے تاب

ظفریاب

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

"واہ......واہ کیا قافیہ ملایا ہے۔ جیسے دعاؤں کا طالب۔ چچا غالب۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"شٹ اپ۔ اسٹوپڈ گرل۔" قمر نے خط پھر چھین لیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا۔ دہکتے رخساروں پر حیا کی چلمن گرائے وہ خفا خفا سی لگ رہی تھی۔

اسے لطف آرہا تھا۔ نظر اٹھا کر ایک خط پھر اٹھا لیا۔

تیری باتوں میں زندگی کا رس
تیری آواز میں ہے رعنائی
اک طرف عاشقی سے ہم مجبور
اک طرف ہم کو خوف رسوائی
صبر کا حوصلہ نہیں باقی
حسن، بیکار، جان زیبائی
ہم نے مانا، تو خوبصورت ہے
دیکھ ہم کو تیری ضرورت ہے

"یہ ظفر صاحب سارے خط نظم میں ہی کیوں لکھتے ہیں، کیا نثر نہیں آتی انہیں۔ اب بے چارے شاعر عاشقوں کے لیے تو نہیں چھوڑ گئے اپنے دیوان۔ یا پھر نثر کی کتابیں نہیں ہیں ان کے پاس۔"

وہ شرارت سے بولی تو قمر آگ بگولا ہوگئی۔

"زیادہ بکواس نہیں چلے گی۔ سنا تم نے۔ اور یہ خطوط تم نے اس لیے کھلوائے ہیں کہ مجھ پر جی بھر کر تنقید کر سکو۔"

"نہیں اس لیے کہ سچے عاشق اور جھوٹے عاشق کی تحریروں میں فرق محسوس کرنا چاہتی تھی۔" وہ سکون سے بولی۔

قمر تپ گئی۔ "تو پھر کیا فرق محسوس کیا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ ایسا ہی تو سب کچھ دریز عظمت کہتا رہتا ہے۔ بقول تمہارے وہ میرے لیے بہت سیریس ہے۔ تم ظفریاب کے ان لفظوں پر۔ ان چرائے ہوئے جملوں پر بلش ہو جاتی ہو۔ یقین جانو دریز عظمت مجھے کیا کچھ کہتا رہتا ہے مگر ایک دن بھی جو من میں گھنٹیاں بجی ہوں، اور تم اپنے محبوب کا خط ہاتھ میں لیتے ہی سراپا گھنٹی بن جاتی ہو۔ کیسے؟" اس نے حیرانگی و بے چارگی سے پوچھا۔

"محبت کے معاملے میں لفظوں کے ہیر پھیر میں کبھی بھی نہ پڑنا۔ محبت لفظوں سے نہیں جذبوں کی صداقت سے اثر انداز ہوتی ہے۔ لفظ کبھی بھی نئے نہیں ہوتے۔ بس احساسات انہیں نیا اور انوکھا بنا دیتے ہیں۔" قمر سرشاری کے عالم میں خط سمیٹتے ہوئے بولی۔

"تو یہ ثابت ہوا کہ دریز عظمت بکواس کرتا تھا اس کے جذبے سچے نہیں تھے۔"

''واٹ...... تھا۔ تھے، سے کیا مراد تمہاری؟'' قمر نے ہاتھ روک کر چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا اب وہ نہیں ہے، تمہارا مطلب کہیں تم نے۔''

''ہاں کل میں نے اس کی چھٹی کر دی۔''

''کیا؟'' قمر کو کرنٹ لگا۔ سخت غصہ بھی آیا۔

''آخر کیا کمی تھی اس میں؟''

''بس وہ، وہ نہیں تھا جو میں چاہتی تھی۔''

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' بڑا افسوس ہو رہا تھا۔ دریز عظمت کے ہاتھ سے نکل جانے پر۔

''اتنا ڈیشنگ بندہ تھا۔ لبرل تھنکنگ رکھتا تھا۔ فیوچر بھی برائٹ تھا۔ اور کیا چاہیے تھا تمہیں؟'' اسے سخت ملال ہو رہا تھا۔

''یہی بات اس نے بھی پوچھی تھی مجھ سے۔''

''پھر تم نے کیا کہا اور کب ملی تھیں تم اس سے؟''

''کل۔ وہ بھی اسی کے اصرار پر۔'' کہہ رہا تھا ممی کا لندن سے فون آیا ہے۔ مجھے بلا رہی ہیں۔ میں چاہتا ہوں جس مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ کامیاب ہو جاؤں۔ اس لیے میں تمہارے واضح جواب کا منتظر ہوں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ میرا جواب مثبت ہوگا۔'' میں نے اس کے یقین کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔

''وہ کیوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''کیونکہ انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''دریز۔ کیا تم مجھے واقعی پسند کرتے ہو؟''

''نہ صرف پسند، بلکہ محبت بھی کرتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''کیوں سے کیا مراد؟''

''میرا مطلب ہے کیا تمہیں میری شکل پسند ہے۔''

''ایسا ہے، مگر سو فیصد ایسا ہے نہیں۔ اگر سو فیصد ایسا ہوتا تو لندن میں ہی شادی کر لیتا۔''

''پھر کیا......؟'' میرا اسٹیٹس اور دولت؟''

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

"میرا خیال ہے میرے پاس یہ دونوں چیزیں پہلے ہی موجود ہیں۔" اسے میرا سوال بہت برا لگا تھا۔

"ماہم! تم ایسے سوال کیوں کر رہی ہو؟ محبت کرنے کے لیے یہ چیزیں نہیں دیکھی جاتیں۔ یہ مادی اشیاء پسند کے پیمانے نہیں ہوتے، بلکہ محبت تو ان سب کو فراموش کر کے کی جاتی ہے، اتنی بڑی دنیا میں اتنے لوگ بستے ہیں۔ مختلف حوالوں سے ہم انہیں جانتے ہیں اور ان سے محبت بھی کرتے ہیں اور تعلق بھی رکھتے ہیں۔

لیکن وہ سب وہ خاص نہیں ہوتے۔ صرف ایک فرد خاص ہوتا ہے، جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف میرے لیے ہے۔ میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تو مجھے لگا جیسے جیسے میری تلاش ختم ہو گئی ہے۔ اور۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر دریز عظمت! تم نے اپنے ہی لیے ایسا کیوں سوچا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک گیا۔

"مطلب یہ کہ میری تلاش تو ختم نہیں ہوئی؟"

"لیکن کیا نہیں ہے میرے پاس؟" وہ تڑپ کر بولا۔

"سب کچھ ہے تمہارے پاس۔ مگر وہ نہیں ہے جو میں چاہتی ہوں۔ جس طرح تم نے مجھے دیکھا اور محسوس کیا کہ میں تمہارے لیے ہوں۔ اسی طرح مجھے نہیں لگتا کہ تم میرے لیے ہو، جس دن کسی کے لیے میں ایسا محسوس کروں گی۔ میں سمجھوں گی کہ میری تلاش ختم ہو گئی۔ دریز۔ تم ایک روشن خیال مرد ہو۔ اس لیے میں تم سے اس طرح کی بات کر رہی ہوں۔

تم میں کوئی کمی نہیں، تم ایک مکمل شخص ہو۔ لیکن شاید تم میرے لیے نہیں کسی اور کے لیے۔ اس دنیا میں خاص فرد بنا کر بھیجے گئے ہو۔"

وہ مجھے حیرانی سے دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"ہمارے معاشرے میں عورت کو یہ اختیار نہیں ہوتا، ایسی تلاش تو مغربی ممالک کی لڑکیوں میں ہوتی ہے اور جو نہیں کبھی بھی مل نہیں پاتی۔ ساری زندگی وہ اس تلاش میں ایک کے بعد ایک مرد بدلتی رہتی ہیں۔"

مجھے اس کی بات پر شدید غصہ آ گیا۔

"دریز عظمت! میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو شادی اور طلاق کے پہیے پر سفر کرتی ہیں۔ میں صرف ایک مرد کی محبت اور اسی سے شادی کی قائل ہوں۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔ جس مرد سے تم متاثر ہوئیں اور اسے دیکھ کر تم نے سوچا کہ تمہاری تلاش ختم ہو گئی تو کیا تمہاری زندگی مکمل ہو جائے گی، کیا اس مرد کی کوئی سوچ اور آئیڈیل نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے پھر یہ یکطرفہ صورت حال ہو۔ جیسے اب ہے۔ تو پھر تم کیا کرو گی؟" وہ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔

"اور پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری شادی زبردستی کسی ایسے فرد سے کر دی جائے جو نہ تمہاری سوچ کے موافق ہو، اور نہ ہی اس کی سوچ پر تم

پورا اترتی ہو۔ تو پھر، ایسی صورت حال میں تم کیا کرو گی؟''

''مفاہمت۔ مصالحت۔ جو کہ مشرقی عورت کا آخری راستہ ہے۔''

''تو تم اب بھی کر سکتی ہو، مجھ سے۔ مجھے بتاؤ تمہاری کیا سوچ ہے، میں اس پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔''

مجھے ہنسی آگئی۔ ''نہیں دریز عظمت! بتایا تو پھر کیا پایا۔'' مجھے تھوڑا دکھ بھی ہوا۔

''یہ تو بالکل ایسے ہی ہو گیا جیسے عام سی صورت کو میک اپ سے بدل دیا جائے، اس طرح حقیقت تو نہیں بدلتی۔ اگر بدلنا ہی ہوتا تو میں خود کو ہی نہ بدل لیتی، کتنی عجیب بات ہے دریز تم مردوں کی اتنی بڑی دنیا میں مجھے ایک بھی مرد متاثر نہیں کر سکا۔ تم بہت اچھے ہو۔ اور ہم بس دوست۔ اور کچھ نہیں۔''

''میں انتظار کر سکتا ہوں۔''

''بے کار ہے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔ دریز عظمت! میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔ میں نے گہرائی سے تنہائی میں۔ کئی بار تمہارے بارے میں سوچا ہے۔ مگر مجھے ہر بار ایسا لگا جیسے میں تمہیں دھوکا دے رہی ہوں۔ تم میرے لیے بے حد مخلص ہو، مگر میں اپنے آپ کو بدل نہیں سکی۔ بہتر ہے دریز عظمت ہم دوستی کی راہ پر چلتے رہیں۔ اور بس۔''

وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

''یہ تمہارے وہ گفٹس ہیں، جو تم نے مجھے محبت کے تعلق سے دیے تھے، اور یہ وہ گفٹس ہیں جب ہمارے مابین دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ یہ گفٹس میں رکھ رہی ہوں۔ دوستی کے رشتے سے۔ اور یہ کارڈز اور تحائف تم لے جانا۔ یہ اس لڑکی کی امانت ہیں جو تمہیں چاہتی ہوگی۔''

''مائی گاڈ!'' قمر نے ہاتھوں پر سر رکھ لیا۔ ''یہ تم نے کیا کیا۔ اور۔ کیا بنے گا تمہارا؟''

''کم از کم پیزا یا سینڈوچ۔ ہرگز نہیں بنے گا۔'' وہ سکون سے مسکرائی۔

''تمہیں ملال نہیں ہو رہا کہ تم نے کتنا احمقانہ فیصلہ کیا ہے شاید پہلی بار، لوگ دعائیں مانگتے ہیں، ایسے رشتوں کے لیے، اور تم ہو کہ۔''

''میں کیا کروں۔ مجھے لگتا تھا کہ میں وقت ضائع کر رہی ہوں۔''

''لیکن وہ تو تم سے محبت کرتا تھا۔''

''مگر مجھے تو اس سے محبت نہیں تھی۔''

''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ محبت شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔''

''مگر تمہیں تو ظفریاب سے قبل از وقت محبت ہو گئی ہے۔''

''اس لیے کہ میں مردوں کو اپنے پیمانوں پر نہیں پرکھتی۔''

''کیا جتنی بھی لڑکیاں ہیں۔ وہ سب تمہاری جیسی سوچ رکھتی ہیں۔''

''پتا نہیں۔ میں تمام لڑکیوں کی سوچ پر سروے نہیں کر رہی ہوں۔'' قمر نے انتہائی جل کر کہا۔

''اور جو تم کر رہی ہو ناں۔ اچھا نہیں کر رہی ہو۔ روؤ گی، پچھتاؤ گی۔ وقت ہمیشہ آگے چلتا ہے، پیچھے نہیں لوٹتا۔'' قمر نے تاسف سے کہا۔

''اتنے اچھے اچھے لوگ تمہاری زندگی میں آئے ہیں اور تم نے کسی کو بھی منتخب نہیں کیا۔ آخر تمہاری سوچ کیا ہے۔ مجھ پر صرف ایک جملے میں واضح کر دو۔ شاید میں تمہاری کچھ رہنمائی کر سکوں، مرد کی کس خصوصیت سے تم متاثر ہو سکتی ہو۔

اگر خوبصورت۔ تو فیصل ہمدانی بے حد خوبصورت تھا، پھر وہ تمہارا انتخاب کیوں نہیں بنا؟''

''خوبصورتی صفِ نازک کی صفت ہے، مردوں میں یہ خوبی نہیں دیکھی جاتی۔ کمر پتلی ہے۔ رنگ گورا ہے کٹاری سی آنکھیں ہیں۔ یہ وصف لڑکیوں پر جچتے ہیں۔''

''تو پھر کیا۔ شجاعت۔''

''وہ تو ہر مرد میں اسی طرح ہوتی ہے جس طرح لڑکیوں میں حیا۔ یہ اور بات ہے کچھ میں کم، کچھ میں زیادہ۔ بہر حال فطرتاً یہ عنصر موجود ہوتا ہی ہے۔''

''اور پھر ذوار شاہ۔ بھول گئیں۔ سی بی آئی سب انسپکٹر اونچا لمبا چوڑا۔ چہرے پر کتنی سختی۔ اور آنکھیں کتنی روشن تھیں اسکی دلیری سے ایک عالم ڈرتا تھا۔ اور جب وہ لڑکیوں کے پاس سے گزرتا تو یوں لگتا جیسے اس کا ایک ایک قدم لڑکیوں کے دل پر پڑ رہا ہو۔ کیا ایک بھی قدم تمہارے دل پر پڑا؟''

''اگر ایسا ہوتا تو یہ دل آج اسی کے نام ہو چکا ہوتا۔ پتا نہیں کیوں۔ باوجود جاہ و حشمت کے وہ مجھے متاثر نہیں کر سکا۔''

''وجہ۔ کیا اس نے اظہار محبت میں عجلت پسندی سے کام لیا؟'' قمر نے انتہائی جل کر پوچھا۔

''نہیں۔ اس میں وہ بات ہی نہیں تھی جو میں چاہتی تھی۔'' سکون سے جواب دیا گیا۔

''مثلاً۔''

''مثلاً جس طرح تم اسے دیکھ کر پیشانی پر سے پسینے کے قطرے پونچھنے کے لیے پلو سے الجھنے لگتیں، اسی طرح نہ مجھے پسینہ آیا اور نہ ہی پلو میں الجھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اگر میرے ساتھ ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتی یہ بندہ سیدھا آنکھوں میں من میں اُتر گیا ہے۔ مگر میرے تو من میں نہیں اترا تھا وہ۔ یہ اور بات تھی کہ میں اس سے گھبراتی ضرور تھی۔''

''یہی تو میں تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں۔ یہی تو اصل بات ہے۔ آج تک دنیا میں مجھے کوئی ایسا مرد نہیں ملا جس سے میں گھبرا گئی ہوں۔ آنکھوں میں پانی، چہرے پر سرخی۔ کبھی کسی شوخ سے جملے پر من میں گھنٹیاں نہیں بجیں۔ کیا ہے یہ۔ اور کیوں ہو جاتی ہیں لڑکیاں ایسے میں۔ میں بھی تو لڑکی ہوں، تمہارے جیسی، ایک عام سی لڑکی، باوجود وجاہت کے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں پیش نہیں آتا؟''

''اسے تم محبت کہتی ہو؟'' قمر نے بے حد حیرانگی سے پوچھا۔

''محبت نہیں، مقابل کی شخصیت کا ایسا اثر چاہتی ہوں، جو مجھ پر پوری طرح سے غالب آجائے۔ جو میری نظر سے لے کر میرے حواس تک اڑا لے۔''

''مائی گاڈ۔ یہ زندگی ہے زندگی۔ کوئی فلم، ڈراما تھیٹر نہیں کہ پردہ اسکرین پر کوئی دیوتا نمودار ہوگا اور تم اسے دیکھ کر اس کے قدموں میں جھکتی چلی جاؤ گی، اور کہو گی۔ ہاں تم ہی ہو، وہ دیوتا جس کی مجھے تلاش تھی۔''

''تم میری بات نہیں سمجھ رہی ہو۔ مجھے کسی دیوتا کی تلاش نہیں۔''

''تو پھر کس چیز کی تمنا ہے تمہیں؟''

''طیب فردوس سے لے کر دریز عظمت تک تمہیں کوئی بھی متاثر نہیں کر سکا اور اب بھی تم کہتی ہو کہ دریز عظمت دنیا کا آخری مرد تو نہیں تھا جو ملال کیا جائے۔ بہت اچھا طریقہ ہے زندگی کو انجوائے کرنے کا۔ میں تو حیران ہوں کہ اتنے آزادانہ راہ و رسم رکھنے کے باوجود تم ابھی تک بچی ہوئی کیسے ہو۔ جانتی ہو تمہارا یہ فعل بھیڑیوں کے بیچ میں سے شکار تلاش کرنے کے مترادف ہے، اور تم ہرن ہو، شکار بھی ہو سکتی ہو۔'' قمر نے اسے جھنجھوڑا۔ ڈرایا۔

وہ اطمینان سے مسکرا دی۔ اور گلے کی زنجیر سے کھیلتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو لگتا ہے۔ مجھے شکار کرنے والا پیدا ہی نہیں ہوا۔''

''یہ سب انکل کی بے جا آزادی کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔''

سارے خط دراز میں ڈال کر قمر نے زور سے دراز بند کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔

''انکل کی اکلوتی اولاد ہونے کا فائدہ مت اٹھاؤ۔ آگ سے کھیلنے سے ہاتھ ہی جلتے ہیں۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا۔''

اب وقت گزر جانے کے بعد۔ شاید وہ فراموش کر چکی تھی۔ اس نے صرف اتنا سنا تھا۔

کہ ''تمام لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ پیار کی بھوکی، چاہت پر مر مٹنے والی۔ ذرا پیار سے بول لو تو گلے کا ہار بن جاتی ہیں، میٹھی نگاہوں سے دیکھ لو تو قربان ہو جاتی ہیں۔ ان سے کھیلنے کا لطف ہی کچھ اور ہے اور تم بھی صرف اسی کھیل کا حصہ تھیں۔''

اس مردانہ آواز پر اس نے ایڑیوں کے بل گھوم کر پیچھے دیکھا۔ کہنے والے کے چہرے پر بڑی لاپروائی اور سکون کا راج تھا۔ جبکہ مقابل کھڑی لڑکی خود سے بھی آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

یہ جملے گرم سلاخ کی طرح اس کے دل میں پیوست ہوتے چلے گئے۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً پندرہ یا سولہ برس ہوگی اور کالج میں شاید تیسرا یا چوتھا دن۔ اس وقت اس میں نہ تو اتنا شعور تھا کہ سوچ سکے کہ کہنے والا اتنے اعتماد سے ایسا کیوں کہہ رہا ہے اور نہ ہی اس بات کا ادراک کر سکی کہ یہ سب سن کر اسے شدید غصہ کیوں آیا۔ اور ایک دم ہی ان جملوں کو جھٹلانے کی خواہش نے جنم کیوں لیا۔

حالانکہ یہ سب اسے تو نہیں کہا گیا تھا لیکن وہ بھی لڑکی تھی۔ اور وہ سب لڑکیوں کے لفظ میں شامل تھی۔ کیسی کیفیت سے دوچار تھی، اس وقت

وہ۔اس نے آنکھیں جھپکا کرلڑکی کو دیکھا، جو تحیر سے آنکھیں پھیلائے ہراساں سی کیفیت میں کھڑی جاتے ہوئے لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔جانے والے کی چال میں کتنی سرشاری تھی۔جیسے پیاسا سیر ہو کر جارہا ہو۔اور اس کے قدموں کی دھول یہی لکھ رہی ہو۔

"تمام لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔پیار کی بھوکی، چاہت پر مرمٹ جانے والی۔"

وہ لڑکا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔بے ارادہ اس کی نظر لڑکی پر پڑی۔اسے لڑکی سے ہمدردی یا نفرت کا احساس نہیں ہورہا تھا۔

بس خالی الذہن وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھتی رہی۔مقررہ وقت پر اسے بھی ڈرائیور لینے آ گیا۔

اس کی کیفیت ایسی تھی، جیسے......اس کی......قابلیت سے بڑھ کر اسے سوالنامہ تھمادیا گیا ہو،حل کرنا تو کجا، وہ تو اس شش و پنج میں تھی کہ یہ سوال کس طرح تخلیق ہوئے۔

اس کا ذہن مسلسل محو پرواز تھا۔کیا سب مردوں کا سب لڑکیوں کے بارے میں یہی نظریہ ہے،اس نے نظریں اٹھا کر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے الٰہی جان کو دیکھا۔وہ بھی تو ایک مرد تھا۔اس کی بھی کوئی سوچ ہوگی۔لڑکیوں کے بارے میں،مگر سارے راستے اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کے سوال سے باز رکھا۔اسی کشمکش میں سارا راستہ طے ہوا خاموشی سے گھر میں داخل ہوئی۔

ہارون لان میں مالی سے الجھ رہا تھا۔

تکرار کی وجہ یہ تھی کہ وہ سفید گلاب کی بند کلی لینا چاہتا تھا۔جبکہ مبارک چاچا اسے ادھ کھلی کلی دینے سے انکاری تھا۔

چونکہ اس گھر کے ملازمین بہت پرانے تھے،اس لیے بچوں کے ساتھ ان کا رویہ بزرگانہ ہوتا۔

ہارون بھی اپنے نام کا ڈھیٹ ہی تھا۔بالآخر کلی توڑ ڈالی اور تیزی سے باڑھ پھلانگ گیا۔

اس نے رک کر ہارون کو دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔اس کے خلاف معمول رویہ پر ہارون چونکا۔حالانکہ جب بھی وہ آمنے سامنے ہوتے چھیڑ چھاڑ ضرور ہوا کرتیں۔

جو سوال اس کے ذہن میں سارے راستے پرورش کرتا رہا تھا۔اس کا جواب اسے گھر آتے ہی مل گیا۔

کہیں دور جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ہارون سیماب طبیعت کا مالک تھا۔اتنی رنگینی تھی اس کے مزاج میں، آئے دن......نت نئے عشق میں گرفتار نظر آتا۔اور اپنے عشقیہ قصے اسے بھی لطف اندوز ہو کر سنایا کرتا۔اور وہ بس ہنسا کرتی۔اب بھی وہ پھول کسی محبوبہ کے خط کے ساتھ پیش کرنے والا تھا،اسے خاموشی سے جاتا دیکھ کر اس کے سامنے آ گیا۔وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

ہارون نے بڑے ہی دلربا انداز میں پھول اس کے سامنے کر دیا۔اس کا انداز صلح کن تھا کہ صبح ناشتے کی میز پر ان کے درمیان کھٹ پٹ ہوئی تھی اور وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔

لیکن اس کا پھول دینے کا انداز۔اسے لگا جیسے ہارون بھی اسے انہی لڑکیوں جیسا سمجھتا ہے۔

حالانکہ اس سے قبل اس نے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔لیکن یہ تو اس کی سوچ تھی، جانے وہ کیا سوچ رکھتا تھا اور یوں اس کا تمام مردوں پر

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس نے پھول نہیں لیا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

بہت تجزیہ کیا اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کا لوگوں کا۔ مبتلائے عشق اسے بہت سارے لوگ نظر آئے۔ لیکن یہ محبت نہیں تھی۔ وقت گزاری کے چکر تھے۔ محبت کسی سے، عہد و پیمان کسی سے، شادی کسی سے، ہرجائی مرد، سمجھوتوں پر آمادہ ہو جانے والی لڑکیاں۔

کیوں تھا ایسا۔ اس کے اندر سوال ابھرا۔ وہ عمر ایسی تھی جہاں ریت سے گھروندے بنانے کی خواہش ہوتی ہے، آسمان پر کہکشاؤں کے ساتھ سفر کرنے کی خواہش، تارے گننے کی عمر۔

لیکن یہ سب وارد ہونے سے پہلے ہی اس کے وجدان پر منکشف ہو گیا کہ محبت کچھ نہیں ہے۔ دھوکا ہے، فراڈ ہے۔ وہ نرم جذبے جو خود بخود جنم لے لیتے ہیں، اس کی انا نے انہیں کچل ڈالا، ضد نے بے رحمی سے دل کی زمینوں کو ویران کر دیا اور اس نے اپنے عمل سے یہ جواب لوٹایا کہ لڑکیاں پیار کی بھوکی نہیں ہوتیں۔

وہ تو سراپا محبت ہوتی ہیں۔ دان کرنے پر آئیں تو سب کچھ لٹا دیں۔ اور پھر بھی اس کے عوض کچھ نہیں مانگتیں۔ تمام لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

محبت کی بھوکی نہیں ہوتیں۔

یہ جواب لوٹانے کے لیے اس نے سب سے پہلے اسی لڑکے سے محبت کی بلکہ اسے محبت کرنے پر مجبور کیا۔ جس نے سب سے پہلے محبت کا گھناؤنا روپ اسے دکھایا تھا۔ وہ ذہین تھی، خوبصورت تھی بھی اور بہت ساری نمایاں خصوصیات کی حامل تھی۔ جلد مرکز نگاہ بن گئی۔

اویس عالم۔ بڑا کھلاڑی قسم کا لڑکا تھا۔ اگر وہ خود اس کے راستے میں بچھ جاتی تو وہ اس کی طرف نظر اٹھا کر کبھی بھی نہ دیکھتا۔ اس کے غرور اور لاپروا انداز نے اویس کو غیر ارادی طور پر اس کی طرف متوجہ کیا۔ ڈیڑھ سال تک اس نے اپنے پیچھے اویس کو دوڑایا۔ جو چیز حاصل نہ ہو۔ وہ انتہائی پرکشش ہوتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کی شدت، جنون کی صورت اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اویس کو ہر بار اپنی پسپائی کا احساس ہوتا رہا۔ لیکن وہ اپنی شکست ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ اور یہی دل لگی، دل کی لگی بن گئی اور جب اویس نے اپنے جذبوں کی پاکیزگی کا یقین کرتے ہوئے اس سے اظہار محبت کیا تھا تو کتنی بلند ہو گئی تھی۔ وہ اس لمحے شاید اسی وقت کے انتظار میں تھی۔ بڑے اعتماد سے اس نے کہا تھا۔

"سنو اویس عالم! لڑکیوں کے بارے میں تمہارا نظریہ غلط تھا۔ اسے بدل دو، وہ پیار کی اور چاہت کی بھوکی نہیں ہوتیں۔ ہاں وہ دھوکا کھا جاتی ہیں اور دھوکا دینے والے تم جیسے ہی ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا ساری لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔

اور جانے اس نے کیا کچھ کہا تھا۔ کہ اویس کھڑا دیکھتا ہی رہا۔ بہت یقین دلانا چاہتا تھا اپنی محبت کا، لیکن وہ نہ رکی اور چلی گئی۔

اس نے اپنی ذات کا دفاع کیا۔ یہ بری بات نہیں تھی، لڑکیوں کو یہ سوچ دی تھی کہ انہیں محتاط رہنا چاہیے۔ یہ بھی کوئی برائی نہ تھی۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی، لیکن جب اسے اپنی فتح مندی کا احساس پوری طرح سے ہو گیا کہ وہ صنفِ مقابل کو آسانی سے پسپا کر سکتی ہے تو اس میں غرور سا سما گیا۔ بالکل ایسا ہی غرور۔ جیسا ابلیس میں حد سے زیادہ عبادت کر کے سما گیا تھا اور پھر وہ فرشتے سے شیطان بنا دیا گیا تھا۔

اسے اس کھیل میں بڑا لطف آتا۔ نت نئی دوستیاں کر کے، لڑکوں کی انسلٹ کر کے۔

زندگی اس سرشاری کے عالم میں گزرتی رہی اس کے اردگرد سب کچھ ویسا کا ویسا ہی تھا۔

وہ مرد جو اس کی طرف بڑھے تھے اب کہیں دوسری طرف مصروف ہو گئے تھے۔ اور وہ لڑکیاں جو اسے سراہتی تھیں، اس کی تعریف کرتی تھیں۔ وہ بھی اپنے اپنے بوائے فرینڈز یا منگیترز میں اچھی طرح اٹیچڈ تھیں۔ اگر وہ میانہ روی سے چلتی تو آئیڈیل لڑکی کہلاتی اس نے تو انتقاماً ایسا کیا تھا۔ انتقام فتح مندی کے اعزاز سے سرشار ہو کر غرور میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اب وہ بہت بلندی پر جا بیٹھی تھی۔

اس کی بہت قریبی دوست قمر جب اپنے منگیتر کی باتیں کرتی تو وہ حیرانگی سے سنتی اس کا منگیتر اسے جب خط بھیجتا تو وہ اس طرح خوش ہو جاتی جیسے ہفت اقلیم کی دولت اسکے ہاتھ لگ گئی ہو۔

شروع شروع میں تو وہ اس کا بہت مذاق اڑایا کرتی۔ تمام باتوں کو جھوٹا تصور کرتی لیکن اسے یقین آ گیا کہ محبت کوئی ماورائی چیز نہیں۔ سچی طاقت ہے۔

یہاں اس کی ذات نے نیا رخ لیا۔ ظفریاب کے خط پھر ان دونوں کی باہم ملاقاتیں، پھر ملاقات کے بعد قمر کی باتیں، اسے یہ سب اچھا لگنے لگا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ اسے بھی کوئی چاہنے والا ملے۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

جب اس کی تلاش شروع ہوئی تو ذہن اس حد تک پختہ ہو گیا کہ ہر بات اسے لطیفہ لگتی۔ یہی سب کچھ کہنے والوں کو تو وہ ٹھکراتی آئی تھی۔ کیا فرق تھا سچی اور جھوٹی محبت میں۔ کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ حقیقتاً وہ اپنی ذات کے تمام قفل بند کر کے، غرور کے قلعے میں مقید ہو گئی تھی۔ تمنائی تھی اس بات کی کہ اس کے در پہ بھی دستک دے۔

دستک دینے والے ہاتھ اب بھی بہت تھے۔ لیکن جو سامنے تھے اس کی خواہش کے مطابق نہیں تھے۔ جو پس عکس تھے وہ ان کی کھوج میں رہتی۔ لیکن اسے اپنا گوہر مقصود نہ مل سکا۔ لیکن اسے یقین کامل تھا۔ کہ جس کی اسے تلاش ہے وہ اسے ضرور ملے گا۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو، اور کیسا بھی ہو، یہ دل اس کی شناخت کی گواہی ضرور دے گا۔ لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی منزل۔ راستے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔

اسے تعجب ہوتا کہ دنیا اتنی بڑی ہے، اور اسے جیتنے والا کوئی ایک بھی نہیں۔

مگر آس پھر بھی باقی تھی۔ لیکن یہ دنیا ایک بیک چھوٹی پڑ گئی۔ اس لمحے جب پاپا نے فائنل ایگزام کے بعد اس کی شادی کا تذکرہ کیا۔

ابھی تو رزلٹ بھی نہیں آیا تھا۔ ابھی تو...... وہ ہواؤں پہ سفر کر رہی تھی۔ ابھی تو اس کی تلاش شروع ہوئی تھی کہ پاپا نے ذکریا چکزئی کا رشتہ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ یا وحشت۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔

جیسے وہ پھولوں کی خوبصورت کیاریاں لگا رہی ہو اور کوئی آ کر کہہ دے۔ نہیں صرف ایک ہی کیاری لگاؤ۔ جیسے شیلف میں کتابوں کی ترتیب بنا رہی ہو، اور کوئی صرف ایک کتاب تھما دے، کہ صرف یہی پڑھو۔

پاپا کے حتمی انداز پر وہ بری طرح مشتعل ہو گئی۔ انہوں نے کہا تھا رشتہ بہت اچھا ہے، سمجھداری سے فیصلہ کرنا۔ وہ مسلسل خاموش تھی۔ دن

گزرتے رہے، بالآخر اس نے انکار کر ہی دیا۔

پاپا نے پوچھا تھا کہ کوئی اور پسند ہے تو بلا جھجک بتا دے۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئی اور عاجزی سے بولی۔

''پاپا! بات یہ نہیں ہے۔''

''بات یہ نہیں ہے، بات وہ نہیں، تو پھر بات کیا ہے۔'' وہ اس کے انکار کو جذباتی سوچ سے منسوب کر رہے تھے۔

''بس میرا موڈ نہیں ہے۔'' آخر ٹالنا بھی تو تھا۔

وہ اس کی بات پر مسکرا دیے۔ ''شادی کوئی تفریح نہیں، جو موڈ پر ڈیپنڈ کرے۔ وہ مشفق انداز میں سمجھانے لگے تھے۔ ان کے بھرپور دلائل کے آگے وہ تھک ہار کر وقتی طور پر خاموش ہو گئی۔ کہ آخر کیا راہ نکالے اور کیا جواب دے۔

''آخر یہ والدین اولاد کو اتنی آزادی اتنے اختیارات دیتے ہی کیوں ہیں۔ جب انہیں کرنی ہی اپنی ہوتی ہے۔''

''تم تو ایسے چراغ پا ہو رہی ہو، جیسے بھاگتے بھاگتے تمہاری لگا میں کھینچ لی گئی ہیں۔'' قمر اس کے اشتعال پر محظوظ ہو رہی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

''والدین کی دی گئی آزادی، اولاد کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اچھی اولاد وہی ہوتی ہے، جو اس امانت میں خیانت نہ کرے۔''

اور پھر انہوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ اپنی پسند انہیں بتا دو۔''

یہی تو مصیبت ہے کہ انہیں کیا بتاؤں۔''

''تو پھر ہتھیار ڈال دو۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''آخر ذکریا میں برائی ہی کیا ہے۔''

''مائی گاڈ! وہ اتنا سوکھا، لمبا بانس کا بانس، اور شکل دیکھی ہے اس کی۔''

''زندگی میں پہلی بار شاید وہ کسی مرد کو شکلا برا کہہ کر رجیکٹ کر رہی تھی۔ اور وہ بھی قمر کے سامنے۔

''خوبصورتی تو صنف نازک کے وصف ہیں۔ مردوں میں یہ خوبی تو نہیں دیکھی جاتی۔'' قمر کی بات پر وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

''اچھا زیادہ بکواس نہیں کرو۔''

''اس سے لاکھ درجہ بہتر تو دریز عظمت تھا۔''

''قمر نے اس کے لفظوں پر تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''رفتہ رفتہ تمہیں ماضی کے تمام کردار یاد آئیں گے اور اپنی غلطیوں کا احساس بھی ہوگا۔ جنہیں تم نے اپنی پرچھائیں سمجھ کر پس پشت ڈال دیا تھا۔ اب مڑ کر دیکھو گی تو تمہیں اپنا سایہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ جو لوگ روشنیوں سے آگے نکل جاتے ہیں ان کے سائے نہیں بنتے۔''

''میں تمہارے پاس اس لیے نہیں آئی تھی کہ تم خوامخواہ کی نصیحتیں لے کر بیٹھ جاؤ...... بندہ مشورہ نہ دے سکے تو نصیحت بھی نہ کرے۔'' وہ

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جل کر بولی۔

''یہ تو صبح تو دو چار دن کا مہمان ہے چلا جائے گا، پھر تمہاری بیوقوفی کی گاڑی کے آگے کوئی اسپیڈ بریکر نہیں ہوگا، جی بھر کر دندناتی پھرنا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ خوشی سے چلائی۔

''شادی کے بعد ظاہر ہے بحرین ہی جانا ہے۔'' قمر سکون سے بولی۔

''اتنی جلدی۔'' وہ بے حد ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔

''ہاں ظفری آئے ہوئے ہیں مختصر چھٹیوں پر۔''

''ظفری۔ اہی۔'' وہ مسکرائی۔ انداز ستانے والا تھا۔

''یہ پیار کے انداز ہیں مائی ڈیئر!'' قمر نے چڑایا۔

''پھر تو وہ تمہیں ضرور قمری کہتے ہوں گے۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ قمر نے مارنے کے لیے کشن اٹھالیا۔

اچانک ہی ظفریاب آن ٹپکے۔ وہ قمر کو شاپنگ کیلئے لے جانے کیلئے آئے تھے۔

قمر خفت سے سرخ ہوگئی۔ اور وہ چہرا جھکائے کچھ لکھی کر رہی تھی۔

''بیٹھیے ناں۔'' بدقت تمام قمر نے ہی پیش کش کی۔ اسے ہنسی ضبط کرنا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

وہ بیٹھ گئے۔ ''بہت مصروف ہیں آپ ماہم؟'' انہوں نے اسے چہرہ جھکائے کچھ کرتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں زائچہ نکال رہی ہوں۔'' وہ باز نہیں آئی۔

''کس کا؟'' انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''قمری اور ظفری مہینوں کے ملاپ کا۔''

''وہ کہہ کر تیزی سے بھاگی تھی۔ اور اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ظفریاب دل کھول کر ہنسے تھے۔ جبکہ قمر گلنار ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اس نے سوچا جتنا فارغ رہے گی۔ پاپا کی توجہ ہنوز اس پر برقرار رہے گی۔ اس لیے اس نے آفس جانا شروع کر دیا۔ کام وام تو کچھ کرنا آتا نہیں تھا۔ بس یونہی سوچ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملنے کے موقع فراہم ہوں گے۔ بس یونہی مونگ پھلیاں، چلغوزے کھاتی پھرتی رہتی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

ہارون نے آفس کا ڈسپلن تباہ ہوتے دیکھ کر اسے ڈانٹا۔

''یہ جو تم کوڑا پھیلاتی پھر رہی ہو، کون سمیٹے گا اسے؟''

''تمہیں کس لیے رکھا ہوا ہے۔'' وہ لاپروائی سے کہہ کر چلتی بنتی۔ ہارون جز بز ہو کر رہ جاتا۔

وہ بھلا کب اس کے رعب میں آتی تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش

ایک روز قمر نے کہا تھا۔ ''اکثر لڑکیاں مردوں کے رعب سے ہی متاثر ہو جاتی ہیں۔ کیا تمہیں ہارون نے بھی متاثر نہیں کیا؟'' تو وہ ہنس دی تھی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''یہ جو رعب جتانے والے مرد ہوتے ہیں ناں۔ بڑی دوغلی طبیعت کے مالک ہوتے ہیں، اپنے لیے ان کا نقطہ نظر کچھ ہوتا ہے، اور گھر والوں کے لیے کچھ۔ اس لیے ہر بات میں ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے ہیں۔ اور مجھے آزاد خیال مرد پسند ہیں۔ ہارون جیسا نہیں۔'' ہارون اس کا کزن تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش

کلیم اللہ جاہ چھ بہن بھائی تھے۔ اور ایک بہن اور پانچ بھائی۔ سب سے بڑے سیف اللہ جاہ۔ پھر حسیب اللہ جاہ۔ پھر کلیم اللہ اور اس کے بعد سدرہ آپا۔ پھر عظیم اللہ اور اعظم تھے۔ سب بہن بھائیوں کے پانچ پانچ، چھ چھ بچوں سے کم بچے نہیں تھے۔ ماسوائے کلیم اللہ جاہ کے انہیں خدا نے صرف ایک بیٹی ہی عطا کی تھی۔ ماہم چھ سات سال کی تھی کہ ان کی شریک سفر اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تھی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

ماہم کی خاطر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اندازہ ہوا کہ وہ تنہا زندگی گزار سکتے ہیں، مگر تنہا بزنس نہیں سنبھال سکتے۔ باپ بڑھاپے کی طرف جاتا ہے تو بیٹا جوان ہو کر باپ کا سہارا بنتا ہے، لیکن اس سہارے کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ سو انہوں نے بڑے بھائی۔ حسیب اللہ کے بڑے بیٹے ہارون کو مانگ لیا۔ حسیب اللہ نے بخوشی ہارون کلیم اللہ کو دے دیا۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش

اس وقت ہارون ایف ایف سی کا امتحان دے کر فارغ ہوا تھا کہ مستقل چچا کے ہاں آ گیا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

اس وقت ہارون ہی ان کا انتخاب کیوں بنا۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ صرف حسیب اللہ کے ہاں ہی چار فرزند تھے۔ دوسرے یہ کہ ہارون کا رجحان شروع سے ہی چچا کی طرف بہت زیادہ تھا۔

پہلی بار جب سہیلیوں نے ہارون کو ان کے گھر میں دیکھا تو بڑے اشتیاق و انبساط سے ہارون کے متعلق پوچھا۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش

تو اس نے مسکرا کر تعارف کرایا تھا کہ ہم نے انہیں گود لیا ہوا ہے۔ ہارون اس کے یوں متعارف کرانے والے انداز پر چڑ جاتا وہ اکثر ہی لوگوں کو یونہی بتاتی تھی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

''تم نے لیا تھا مجھے گود؟'' اس نے جل کر پوچھا۔

''پاپا نے تو لیا تھا ناں؟'' اسے چڑانے میں مزا آتا۔

''جی نہیں میں پیروں سے آیا تھا۔'' اس نے جتلایا۔ (اس کے نزدیک گود کا مطلب گود میں ہی آنا ہوتا تھا)

''دنیا میں......؟'' نازنے مسکرا کر متعجب انداز میں پوچھا۔

ایک جاندار نسوانی قہقہہ پڑا۔

''جی نہیں چچا کے ہاں۔'' وہ کب باز آجانے والا تھا۔ گھور کر چلتا بنا۔

اب بھی......اسی طرح ان میں......نوک جھونک چلتی رہتی۔ وہ بات کہنے سے باز نہ آتی اور وہ جلنے کلسنے سے نہ رکتا۔ ہر بار اسے دھونس دیتا کہ وہ اپنے گھر چلا جائے گا۔ مگر وہ اس کی دھونس کو خاطر میں کب لاتی تھی۔ پاپا کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ اپنی سوچ سے آگاہ کر دے۔ وہ الجھ کر رہ جاتی۔ زندگی کے گرد دائرہ کتنی تیزی سے تنگ ہو رہا تھا۔ آخر وہ کیا فیصلہ کرے اور کیا جواب دے۔ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا سو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انتہائی سنجیدگی سے آفس میں کام کرے گی تا کہ نہ ہارون کو شکایت لگانے کا موقع ملے اور نہ ہی پاپا کو بار بار اس کی شادی یاد آئے۔ یہ سوچ بڑی بچکانہ تھی، حقیقتاً تو اس نے اپنے مفاد کی خاطر یہ سنجیدہ فیصلہ کیا تھا۔

کہ اس کی تلاش بھی جاری رہے گی اور پاپا کی نظروں میں......سرخرو ہونے کا موقع بھی ملتا رہے گا۔

''ہارون۔ یہ لیٹر ٹائپ کرا کے میرے کمرے میں پہنچا دو۔ شام کو میٹنگ ہے اور مجھے پاپا کی فائل تیار کر کے رکھنی ہے۔''

''اوہو۔ آج کل تو بڑے کام شام ہو رہے ہیں۔'' ہارون نے تمسخر اڑایا۔

''آخر پاپا کا بزنس۔ مجھے ہی سنبھالنا ہے۔'' وہ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے تفاخر سے بولی۔

''بڑی جلدی ہوش آگیا۔'' اس نے پھر طنز کیا۔ وہ چڑ گئی۔

''کیا تم میرے باپ کا سارا بزنس غبن کر چکے ہو؟''

''لڑکی! زبان سنبھال کر بات کیا کرو۔'' ہارون کو سچ مچ بہت برا لگا۔

''اس وقت آفس میں اونلی پرسنل سیکریٹری ہو، اور کچھ نہیں۔''

''تو تم کون سا پارٹنر ہو۔ ایک پیون والی حیثیت ہے تمہاری۔''

وہ جواب دینے کے لیے مقابل کو کوڑی کا کر دیتی یہ تک نہ سوچتی کہ یہ لفظ اس کے لیے کتنے خسارے کا باعث بن سکتے ہیں۔ بس برابر کا جواب دینا مقصود ہوتا تھا۔

ہارون سے برداشت کرنا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔ وہ غصے میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے شام تک آجائے گا مگر وہ نہیں آیا۔ وہ اپنے کہے گئے لفظوں پر از خود پشیمان تھی۔ ہارون کے بغیر اس کا بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہارون نے پچھلے چھ سات سالوں میں گھر کے فرد کی سی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ پاپا بھی مسلسل خاموش تھے۔ ہارون کو اس نے کئی فون کھڑکا ڈالے تھے مگر اس نے بات کرنا

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

گوارا نہ کیا تھا۔

کلیم اللہ کو بیٹی کی بے چینی اور ندامت کا اچھی طرح سے اندازہ ہو رہا تھا۔ مگر خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

''پاپا، آپ ہارون کو لے آیئے ناں۔'' اس نے بالآخر تھک ہار کر عاجزی سے درخواست پیش کی۔

''میں نے تو نہیں بھیجا اسے جو لے کر آؤں۔'' وہ انجان بنتے ہوئے بولے۔

وہ روہانسی ہو گئی۔ ''بھیجا تو کسی نے بھی نہیں تھا۔''

''تو پھر خود ہی آ جائے گا۔'' وہ لاپروائی سے کہہ کر فائلیں دیکھنے لگے۔

''وہ بے بسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوتے سوتے بھی فون ملایا۔ شومئی قسمت ہارون نے اٹھا لیا۔

''ہارون کے بچے! سیدھی طرح گھر آ جاؤ۔'' اس نے رعب سے گزارش کی۔

''ہارون کے بچے نہیں ہیں۔ وہ غیر شادی شدہ ہے۔''

اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر فون رکھ دیا۔ وہ تلملا گئی۔

''سمجھتا کیا ہے خود کو۔ دیکھ لوں گی۔''

رات بمشکل کٹی صبح معمول سے پہلے ہی وہ بیدار ہو گئی۔

اکیلے کام نہیں چلے گا۔ فراج کو ساتھ لینا ہوگا۔'' کیونکہ فراج کی اور ہارون کی گاڑھی چھنتی تھی۔ یک جان دو قالب کا فقرہ ان کی دوستی پر صادق آتا تھا۔

یہی سوچ کر اس نے گاڑی کا رخ سیف اللہ منزل کی طرف کر لیا۔

گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ لگتا تھا سب گھر والے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

فراج۔ سمیعہ۔ بھئی کوئی جاگ بھی رہا ہے یا سب ہی سو رہے ہیں؟'' اس نے باری باری ادھر ادھر جھانکتے ہوئے آوازیں لگائیں۔

کچن میں کھٹر پٹر کی آوازوں پر وہ اس خیال کے تحت چل دی کہ سمیعہ یا جویریہ ہوں گی لیکن دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ اس کی آواز پر تائی جان قرآن پاک بند کر کے پیچھے صحن سے اٹھی تھیں۔

وہاج حسن کچن میں بڑی چابکدستی سے ناشتا بنا رہے تھے۔ ان کی تیاری اور انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے آفس جانے کی سخت جلدی میں ہوں۔ کوٹ اور ٹائی ڈائننگ ٹیبل پر پڑے تھے۔ اور جوسر بلینڈر میں پھل ڈال کر دودھ ڈال رہے تھے۔

اس کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔ پھر بھی جانے نئے سرے سے کیوں حیرت ہوئی، اور بے ساختہ منہ سے نکلا۔

''ارے آپ!''

انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ وہ دروازے کے دونوں طرف ہاتھ رکھے اس طرح عجلت میں کھڑی تھی جیسے بھاگتے بھاگتے ذرا دیر کو بس یونہی رکی ہو۔ ان کے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی رُکیں اور پھر ایک دم منتشر ہو گئیں۔

''میں سمجھی۔ شاید سمیعہ وغیرہ ہوں۔ اس لیے میں ادھر چلی آئی۔'' اس نے تنقیدی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ انداز بے حد تضحیک آمیز تھا۔

اس کا خیال تھا شاید وہاج حسن اسے کام کرتا دیکھ کر کنفیوژن کا شکار ہو گئے ہیں۔

دوسرے ہی پل انہوں نے نگاہیں جھکا لیں، اور سوئچ لگاتے ہوئے بڑی سادگی اور نرمی سے بولے۔

''سمیعہ اور فراج اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔''

اور ساتھ ہی بلینڈر کا بٹن آن کر دیا۔ یکلخت ہی بے ہنگم سا شور ابھرا وہ کاندھے اچکا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

تائی جان راہداری میں مل گئیں۔

''السلام علیکم تائی جان؟''

''والسلام جیتی رہو۔''

''کیسے آنا ہوا صبح صبح؟'' وہ اسے اپنی ہمراہی میں ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

ان کی بات پر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''یہاں آ کر اندازہ ہوا ہے کہ میں واقعی صبح صبح آ گئی ہوں۔''

''ارے تمہارا ہی گھر ہے جم جم آؤ۔'' تائی جان نے اسے اپنے سے لگا لیا۔ پھر اسے پہلو میں بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''اس گھر میں تو صبح گیارہ بجے اور رات دو بجے ہوتی ہے۔''

تائی جان حسب عادت شروع ہو گئیں اور وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔ اس کا تو خود یہی حال تھا آج جانے کیسے اتنی جلدی اٹھ گئی تھی۔

لگتا ہے تایا جان گھر پر نہیں ہیں۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ گویا موضوع بدلا ہو۔

''ہاں وہ گئے ہوئے ہیں۔ صدیق کے بیٹے کے قل میں، رات کہا تھا فراج سے کہ تم چلے جانا۔ پڑا اینٹھ رہا ہے۔ جگاتی رہی اٹھا نہیں۔ جانے کو تو وہاج چلا جاتا مگر اسے خود کام تھا۔ کسی پارٹی نے آنا تھا۔ اس وجہ سے نہیں گیا۔ اللہ میرے بچے کو خوش رکھے، خوشیاں نصیب کرے تمام اولاد میں ایسا سعادت مند بچہ نہیں۔''

تائی جان کے چہرے پر یک بیک خوشیوں کے رنگ دمک اٹھے اور وہ وہاج کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئیں۔

''اب دیکھ لو۔ آفس جانے کی جلدی تھی۔ خود ہی ناشتا بنا لیا۔ کہتی رہی۔ ارے سمعیہ کو اٹھا لو۔ جویریہ کو اٹھا لو۔ سارا دن فراج کے آگے پیچھے بھی تو دوڑتی پھرتی ہیں۔ اور کیا دوڑتی پھرتی ہیں خود دوڑائے رکھتا ہے۔ یہ لا دو۔ وہ لا دو۔ مگر اس نے تو کسی کو تنگ کرنا سیکھا ہی نہیں۔ جیسا بھی وقت پڑا خود ہی کر لیا۔ حالانکہ بہنیں اس کا خود اتنا خیال رکھتی ہیں۔ بغیر کہے آگے سے آگے کر دیتی ہیں۔ اور جو میں کرنے کے لیے اٹھوں تو پکڑ پکڑ کر

بٹھاتا ہے۔ کہتا ہے ہمارے پیغمبر بھی تو اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے، اپنے ہاتھوں سے کام کرنا سنت نبویؐ ہے اور پھر گھر میں بدنظمی اور بے سکونی بھی نہیں ہوتی اور پھر جب ملک سے باہر جاتے ہیں جب بھی تو خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھار بہنوں کو تنگ نہیں کریں گے۔ تو ہاتھ نہیں ٹوٹ جائیں گے، اتنی دلیلیں ہوتی ہیں اس کے پاس۔ اور یہی اگر فراج کو جانا ہوتا ناں۔ تو گھر بھر کو ایک پاؤں پر نچائے رکھتا اور جاتا ایسے جیسے احسان کرنے جا رہا ہو۔''

تائی اماں نے نخوت سے کہا تو ان کے انداز پر وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

''کہتے ہیں صبح صبح غیبت کرنا گناہ ہوتا ہے۔'' فراج آنکھیں ملتا ہوا ادھر ہی آ گیا۔

''اور جیسے ماں باپ کا دل دکھانا تو عین ثواب کا کام ہے۔''

تائی جان نے جل کڑھ کر کہا۔ اور کوئی کام یاد آ جانے کی وجہ سے جوتیاں گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

''ارے۔ یہ تم صبح صبح یہاں کیسے؟'' سمیعہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

اس نے اکتا کر اس سوال پر گہرا طویل سانس کھینچا پھر تھکاوٹ سے بولی۔

''فراج صاحب کو لینے آئی ہوں۔ کیونکہ ہارون گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلا گیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس معاملے میں فراج میری کتنی مدد کرتا ہے۔''

سمیعہ کو ہنسی آ گئی۔

''اس کی تو خود لڑائی ہوئی پڑی ہے ہارون سے۔ تین چار روز سے دونوں نے ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے کا روزہ رکھا ہوا ہے۔''

سمیعہ کی اطلاع پر اسے شدید جھٹکا لگا۔

''کیا۔ تمہیں بھی اسی وقت جھگڑا کر کے بیٹھنا تھا؟'' اس نے فراج کو گھورا۔

''چلو خیر اٹھو۔ یہ روزہ اکٹھے ہی افطار کرنے چلتے ہیں۔'' اسے فراج کے علاوہ کوئی معقول بندہ نہیں مل رہا تھا۔ اور نہ ہی مل سکتا تھا۔

''میں نہیں جا رہا۔'' فراج کی ناراضگی شدید معلوم ہوتی تھی۔ انداز بے حد حتمی تھا۔

''اسے گولی مارو۔ وہاج بھائی کے ساتھ چلی جاؤ۔''

سمیعہ نے مشورہ دیا۔ بلکہ اسے فراج کی منت سے بچایا۔

اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''یہ تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' سمیعہ نے حیرت سے اس کا منہ دیکھا۔

''کچھ نہیں۔ بس یونہی ہنسی آ گئی تھی۔''

''اتنا کمزور وکیل۔ میں مقدمہ جیتنا چاہتی ہوں۔ ہارنا نہیں۔ ان سے تو بہتر میں اکیلی ہی کافی ہوں۔ وہ بدستور کھلکھلاتی ہوئی مڑی۔

عقب میں ہی وہاج حسن کھڑے تھے، وہ مسکراتی ہوئی ان کے آگے سے گزر کر چلی گئی۔ وہاج حسن بظاہر گھڑی کی سوئیاں سیٹ کر رہے تھے مگر ذہن بری طرح اس کے انداز پر الجھا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہارون کے گھر گئی تو چھوٹی تائی نے بتایا کہ وہ خود ان کی طرف چلا گیا ہے۔ اسے خوشی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ وہ الٹے قدموں وہاں سے لوٹی، گھر آئی تو ہارون کو اور پاپا کو لان میں ناشتا کرتے پایا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی۔ ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہوئے۔ وہ اس کے سر پر دھاڑی۔

پہلے آتی تھی ہر بات پر شرم
اب کسی بات پر بھی نہیں آتی

اس نے سکون سے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے موقع کی مناسبت سے شعر گھڑا۔

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ''گئے کیوں تھے، اور آئے کیوں؟'' بے حد ناراضگی سے پوچھا۔

''گیا تھا تمہیں احساس دلانے کے لیے پھر خود ہی اس لیے آ گیا کہ کہیں تم مجھے لینے نہ آ جاؤ۔ باقی زندگی لوگوں کو یوں بتاؤ کہ اب کی بار تم مجھے گھر واپس لائی ہو۔''

پاپا ہارون کی اس بات پر بے ساختہ ہنسے تھے۔ جبکہ وہ بس گھور کر رہ گئی۔

جواباً ہارون نے منہ چڑا دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ پاپا کے آفس میں بیٹھی تھی کہ ذکریا اچکزئی اندر چلا آیا۔

''ہیلو!'' ذکریا نے بڑی محبت سے کہا۔

''ہائے۔'' تکلف کے بجائے تکلیف سے جواب دیا گیا۔ ذکریا بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔ یا شاید رویوں سے اظہار کے معنی نہیں سمجھتا تھا۔ مسکرا کر خود ہی بیٹھ گیا۔

وہ خوامخواہ فائلوں میں سر گھسانے لگی، مبادا موصوف کی شان میں گستاخی نہ کر جائے۔ کیونکہ وہ پاپا کے خاص دوست اور سب سے بڑی شراکت دار کا بیٹا تھا۔ اکثر ہی تانک جھانک میں رہتا۔ اور جونہی اسے اکیلے دیکھتا آن ٹپکتا۔ آج بھی حسب عادت بلکہ حسب معمول شروع ہو گیا۔ اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو؟''

''اس نے بس اتنا ہی کہا اور وہ شروع ہو گئی۔

''یہ......آسمانی رنگ تم پر غضب کا لگ رہا ہے۔ کسی موسم کا حصہ معلوم ہو رہی ہو۔''

''ماہم! میں تمہارے گریز کو شرم سے عبارت کروں یا فرار سے۔''

''تو سیئے فرار سے۔'' اس نے دوٹوک انداز میں جل کر کہا۔ تو وہ شرمندہ نہیں ہوا۔ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اتنی زور سے نہ ہنسا کرو۔ پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔'' اس کے دبلے پن پر چوٹ کی۔

ذکریا کو برا لگا۔ مگر اتنا بھی نہیں کہ اٹھ کر چلا جاتا۔

''چلو باہر چلتے ہیں۔'' وہ بشاشت سے بولا۔

''اور موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔ اور آئس کریم بھی کھائیں گے اور یونہی لانگ ڈرائیو پر نکل جائیں گے ہیں ناں۔'' اس نے جلدی جلدی بات مکمل کر دی۔

''بہت سمجھدار ہو۔ قبل از وقت بات جان لیتی ہو۔'' وہ اس کی سمجھداری کو داد دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم جیسی شریک سفر زندگی کی شاہراہ پر بڑی صحیح رہتی ہیں۔......اور''

''او۔ یہ کہ مجھے تم جیسی لڑکی کی ہی تلاش تھی۔'' اس نے بات مکمل کر دی۔

وہ زور سے ہنسا۔ ''بہت زیادہ ذہین ہو۔ گویا میرے۔''

''میرے دل کی بات تم نے کہہ دی۔'' اس نے جھٹ کہا۔

اب وہ اس فیلڈ میں اتنی پرانی ہو چکی تھی کہ ہر ڈائیلاگ کو مکمل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن چکا تھا۔

''زبردست!'' وہ فقرہ مکمل ہو جانے پر ایک بار پھر خوش ہوا۔

وہ بری طرح سے چڑ گئی۔

''اس موقع پر ایک آدھ شعر کی سخت گنجائش نکلتی ہے، اور مجھے اشعار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے عاجز آ کر قبل از وقت ہی کہہ دیا۔

وہ خفا نہیں ہو رہا تھا، ہر بات پر مسکرائے جا رہا تھا اور وہ ایسے مردوں کی فطرت سے خوب واقف تھی۔ جو اس مقولے پر زندگی گزارتے تھے۔

''کہ ایک بار حاصل ہو جائے پھر جواب دیں گے۔'' گویا اس زندگی کا صبر، اگلی زندگی پر جبر ہوتا تھا۔ وہ اس کی مسکراہٹ پر چڑ کر کمرے سے نکلنے والی تھی کہ بروقت پاپا کمرے میں داخل ہوئے۔

پاپا کو دیکھ کر ذکریا نے بڑے مودب انداز میں سلام کیا اور پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر جانے لگا۔

''ارے بھئی ابھی سے چل دیے۔ چائے تو پیتے جاؤ۔''

اردگرد کا جائزہ لے کر انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ محترم کی ذرا سی بھی خاطر تواضع نہیں کی گئی ہے۔

''نہیں انکل! میرا قطعی موڈ نہیں۔ ماہم نے بھی پوچھا تھا۔ میں نے انہیں بھی انکار کر دیا۔'' کتنی صفائی سے اس نے منہ پر جھوٹ بولا تھا۔ وہ انگشت بدنداں رہ گئی۔

اس کی پہیلی آنکھیں دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔ ''اچھا ماہم! پھر ملیں گے۔ او کے انکل حافظ۔'' وہ تیزی سے نکل گیا۔

وہ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ پاپا بھی بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی ''ذکریا نامہ'' شروع کر دیا۔

''ذکریا بہت اچھا لڑکا ہے۔''

''مائی گاڈ!'' اس نے سر تھام لیا۔

''میں یہی چاہتا ہوں کہ تم دونوں کے مابین کچھ انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔ اس لیے ملتے جلتے رہا کرو۔ کہیں گھومنے پھرنے چلے جایا کرو۔''

''پلیز پاپا!'' اس نے اکتا کر کہا۔

''ان لوگوں نے صرف پروپوزل پیش کیا اور آپ نے باقاعدہ مجھے ان سے اٹیچڈ کر دیا۔ میری مرضی کے بغیر جیسے آپ نے حتمی فیصلہ کر لیا ہو۔ مجھ سے پوچھے بنا۔ مجھے بتائے بغیر۔ یہ سراسر زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔'' وہ افسردہ ہو گئی۔

کلیم اللہ جاہ نے بیٹی کو بغور دیکھا پھر مسکرا دیے۔ ''یہاں تم تھوڑی سی مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہو۔ تم سے میں نے پوچھا تھا، ہر بار۔ مگر تم ٹھوس جواب نہیں دے سکیں۔ حتیٰ کہ اپنی رائے بھی پیش نہ کر سکیں۔ اب تم خود ہی بتاؤ۔ تمہارے ان بے سروپا انکار...... پر اگر میں بیٹھا رہا...... تو زندگی کا فیصلہ کس طرح اور کب ہوگا۔''

''جس طرح اور جہاں ہوگا مگر ذکریا کے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں ہوگا۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔

''مگر ذکریا میں برائی ہی کیا ہے؟''

بڑا معقول سوال کیا تھا انہوں نے۔ انداز زچ کر دینے والا تھا۔ وہ بدستور خاموش تھی۔ انداز میں بے پناہ خفگی تھی۔

''ہر لحاظ سے ذکریا پرفیکٹ ہے اور میرے خیال سے مجھے اپنے معیار کا داماد ذکریا سے بڑھ کر نہیں مل سکتا۔'' ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ بے حد مطمئن ہیں۔

''اور پھر نا صرف انہوں نے پروپوزل دیا ہے بلکہ میں انہیں زبان بھی دے چکا ہوں۔'' اتنا حتمی اور اٹل انداز جیسے پتھر پر لکیر ہو۔

اس کے سر پر تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جس کی تلاش زندگی کا مقصد بن گئی تھی۔ خواہش سے ضد بن گئی تھی۔ اب معمولی سی چیز پر اکتفا کر لیتی۔ قناعت کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ پھر کیوں ہار مان لیتی۔ اور پھر پاپا نے فیصلہ کیسے کر دیا۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوگا۔ وہ سنجیدگی سے سمجھا کر گئے تھے۔

''سکون سے سوچو کیونکہ والدین ہمیشہ اولاد کے حق میں بہتر ہی فیصلے کرتے ہیں۔ اور اس فیصلے پر ذہن اور دل کو تیار کرو۔''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''مائی فٹ!'' وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہارون! گاڑی کی چابی دو۔''

''کیوں؟'' اس کی لاپروائی قابل دید تھی۔

''میں کیوں کا جواب دینے کی مجاز نہیں ہوں سمجھے۔''

وہ بے انتہا تپ کر بولی۔

ہر کوئی خوامخواہ اس پر پہرے بٹھانے کے چکر میں تھا۔ اور یہ ہارون تو کچھ زیادہ ہی پابندیاں لگانے لگا تھا۔ ہر وقت کیوں گھومتی پھرتی رہتی ہو۔ گھر میں ٹک کر بیٹھو۔ وہ اکثر ہی ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا تھا۔

''دیکھو ہارون! میں کہہ رہی ہوں۔ یہ آنکھیں گھر والوں کو دکھایا کرو، مجھے بھی آنکھیں دکھانی آتی ہیں۔ گاڑی کی چابی دو۔ نہ میں تمہارے رعب میں آؤں گی۔ اور نہ کسی سے ڈرتی ہوں۔'' وہ جل کلس کر بولی۔

''تم ڈر بھی کیسے سکتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوق ڈرانے اور کچھ ڈرنے کے لیے پیدا کی ہے۔ تمہارا شمار اول الذکر میں ہوتا ہے۔''

وہ بڑے سکون سے مسکرا کر بولا۔ اس کی جان تک جل گئی۔ ''یہ جگت بازیاں اپنی بیگم کو سنانا مجھے کوئی شوق نہیں سننے کا۔''

''ہاہاہا'' ہارون نے قہقہہ لگایا۔

''آنکھیں گھر والوں کو دکھاؤں۔ جگتیں گھر والوں کو سناؤں تو تمہارے لیے کیا کروں؟'' وہ دلیری سے بولا۔

''تم میرے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتے۔''

اس نے چابی چھینی اور آناً فاناً کمرے سے نکل گئی۔ اکثر وہ بہت ڈپریسڈ ہوا کرتی تو یونہی بے سمت راہوں پر نکل جاتی۔

ماحول سے فرار کا اس کے پاس یہی معمول اور عارضی راستہ ہوا کرتا۔ اب بھی اس نے ایسا ہی فرار حاصل کیا تھا۔ ذہن بے انتہا سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہ گاڑی مارنے کے ارادے سے نہیں نکلی تھی۔ ہاں اس نے ایک لمحہ کو سوچا تھا کہ ''وہ خود کو ختم کر لے گی؟'' لیکن وہ ایک سوچ تھی۔ جو ہوا کی طرح شعور سے ٹکرا کر گزر گئی تھی۔ لیکن تقدیر نے تو اس وقت اس کی قسمت میں حادثہ لکھا تھا۔

گاڑی اچانک بجلی کے کھمبے سے ٹکرائی تھی۔ آگے پیچھے بہت سی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے اور اس کا سر اسٹیئرنگ پر ڈھلک گیا۔

آگے کیا ہوا سے کچھ علم نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

دو روز کے بعد ہاسپٹل کے کمرے میں جب اس نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلی نظر پاپا پر پڑی۔ وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھے۔

''ماہم بیٹا۔ ماہم بیٹا!'' ان کی آنکھوں میں اشک رواں تھے۔ اور بے چینی سے اسے پکار رہے تھے۔

پاپا کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ ہی تو گئی۔ اس کے سوا پاپا کا اور تھا ہی کون۔ وہ ان سے اپنے رویے کی معافی مانگنا چاہتی تھی۔ اسے ایسا نہیں

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

کرنا چاہیے تھا۔

پاپا سمجھ رہے تھے کہ اس نے جان بوجھ کر گاڑی ٹکرائی ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ یہ محض حادثہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ باوجود تکلیف کے بولنا چاہ رہی تھی۔ لیکن ان کے پیچھے کھڑے ذکریا اور ان کے والد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ لب سل گئے۔ وجود کے ہر زخم میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ اور وہ بے حس و حرکت پڑی کی پڑی رہ گئی۔ اس کے حرکت نہ کرنے پر سب لوگ بے چین ہو گئے۔ تایا، چچا، کزنز، سبھی تو اس کے پاس موجود تھے لیکن اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کسی سے بولنے کو۔ کسی سے بات کرنے کو۔

حتیٰ کہ ابھی دو لمحے قبل جو شدت سے پاپا سے ہمدردی ہوئی تھی۔ وہ بھی اچانک ختم ہو گئی تھی۔ اسے ہوش آیا ہی کیوں۔ اب اس کے دل میں نہ اپنے لیے کوئی احساس تھی نہ کسی اور کے لیے، وہ خالی آنکھوں سے چھت کو تکے جا رہی تھی۔ ہارون ڈاکٹر کو بلا لایا تھا۔

''مانو بیٹا! مانو بیٹا!'' پاپا اس کا گال تھپتھپا رہے تھے۔ ''ڈاکٹر، ڈاکٹر میری بیٹی بول کیوں نہیں رہی۔ یہ ہماری طرف دیکھ کیوں نہیں رہی۔ ہمیں پہچان کیوں نہیں رہی؟''

وہ انجانے خدشوں سے دوچار بے قراری سے پوچھ رہے تھے۔

اور پاپا کے لفظ اس کے لیے راہ نجات بن گئے۔ بے شک اس نے باقاعدہ پلاننگ نہیں کی تھی کہ وہ یہ کھیل کھیلے گی۔ لیکن کھلی آنکھوں چھپ جانے کا اس سے قیمتی موقع اسے شاید ہی کبھی ملتا۔

ڈاکٹرز کو جہاں اس کے ہوش میں آ جانے پر اطمینان کا احساس ہوا تھا۔

وہاں اس خدشے نے یکلخت جگہ لے لی تھی۔ کہ کہیں اس نے یادداشت ہی نہ کھو دی ہو۔ کیونکہ سر کی چوٹیں زیادہ آئی تھیں۔

ڈاکٹر اعتبار زیدی اس کے قریب آئے۔ وقفے وقفے سے اسے پکارا۔ وہ بدستور بے سمت دیکھتی رہی۔ پھر انہوں نے اس کی آنکھیں چیک کیں۔ ہاتھ ہلا کر دیکھے۔ سر کو دائیں بائیں کیا۔ وہ جوں کی توں پڑی رہی، نرس کے ہاتھ انہوں نے باہر پیغام پہنچوایا۔ شاید کسی دوسرے ڈاکٹر کو بلانے بھیجا تھا۔ ساتھ ہی کمرے میں متعدد افراد سے گزارش کی وہ لوگ باہر چلے جائیں۔

ڈاکٹر اعتبار زیدی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں، کلیم اللہ جاہ کے ساتھ ساتھ باقی افراد کو بھی آزمائش میں ڈال رہی تھی۔

کمرے سے تمام افراد چلے گئے۔ ماسوائے کلیم اللہ اور سیف اللہ کے۔

ہارون ڈاکٹر ساجد کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔ پھر ڈاکٹر ساجد اور ڈاکٹر زیدی کچھ ناقابلِ فہم قسم کی سرگوشی کرنے لگی۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ بتاتے کیوں نہیں کہ میری بیٹی کو کیا ہوا ہے؟'' پاپا کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔

''ہمارا خیال ہے کہ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ان کا ذہنی توازن بری طرح متاثر ہوا ہے۔''

ڈاکٹر ساجد نے ٹھہر ٹھہر کر رسان سے کہا۔ تو تینوں افراد ہق دق ڈاکٹرز کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ پاپا کا ضبط جواب دے گیا۔ سیف اللہ جاں نے انہیں سنبھالا۔

''کلیم صاحب! خود کو سنبھالیے'' ڈاکٹر اعتبار نے ان کے کاندھے پر دلاسے بھرا ہاتھ رکھا۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہر مرض کا علاج اس دنیا میں موجود ہے ایسا عموماً ہو جاتا ہے اور ابھی یہ ہمارا خیال ہی ہے۔ شاید ایسا نہ ہو۔ ہمارے ہاسپٹل کے بڑے اچھے ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر عرفان ہاشمی بہت اچھے سائیکاٹسٹ ہیں۔ ہم ان سے ان کا باقاعدہ چیک اپ کرائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے زیر علاج یہ بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گی، آپ لوگ گھبرائیے نہیں فی الوقت جو ان کی ظاہری چوٹیں ہیں۔ وہ صحیح ہو جائیں پھر ہم اس کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں۔ آپ انہیں تنہائی اور ریسٹ دیجئے۔ ان کے ذہن پر زیادہ دباؤ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔، ورنہ ان کی بیرونی چوٹوں کی انجری میں ہمیں وقت کا سامنا ہو سکتا ہے۔''

ڈاکٹر زدلاسہ اور دکھ ایک ساتھ دے کر کمرے سے نکلے تھے۔ پاپا بے دم سے ہو کر کرسی پر گر گئے۔ اس کی چوٹیں شدید تھیں۔ اسی لیے دواؤں کے زیر اثر اور تکلیف کے باعث آٹھ دس دن نیم بے ہوشی میں گزر گئے۔ کچھ روز کے بعد اسے چھٹی مل گئی اور وہ گھر آ گئی۔

ابھی وہ نقاہت اور کمزوری کے زیر اثر تھی اس لیے ہر وقت چپ چاپ پڑی رہتی۔

اس کے انداز میں...... پچھلی زندگی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہر وقت بالکل اجنبی اجنبی معلوم ہوتی۔ کلیم اللہ بیٹی کو دیکھ کر ہولتے رہتے۔ وہ چاہتے کہ ان کی بیٹی لمحے کی چوتھائی میں بالکل پہلے کی طرح سے ہو جائے۔ لیکن زخم بھر گئے مگر وہ ویسی نہ ہو سکی۔

پھر ڈاکٹر عرفان ہاشمی کا علاج شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر عرفان ہاشمی کے علاج پر اس کا سکتہ ٹوٹا وہ ایک دم ایسے چوکنا ہو گئی جیسی سانپ، سپیرے کی بین پر ہو جاتا ہے۔

وہ کسی بھی طرح سے قابو میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کے چیک اپ لکھے۔ اس کے ٹیسٹ ہوئے دو روز بعد رپورٹس آ گئیں۔ وہ کمرے میں تھی، جس وقت ہارون ٹیسٹ رپورٹس لے کر آیا تھا۔ شام کو ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ اس نے چور نگاہوں سے رپورٹس کی جانب دیکھا جیسے شام تک اس کا پول کھل جائے گا۔ ہارون رپورٹس رکھ کر چلا گیا۔

ہارون کے جانے کے بعد اس نے سوچا کہ رپورٹس پھاڑ ڈالے یا پھر جلا دے۔ نہیں۔ اس کے ذہن میں بڑی مناسب ترکیب آئی۔ اور اس نے رپورٹس کے لقمے بنا کر چبا ڈالے۔ اور بڑی ترتیب سے ان چوسے ہوئے لقموں کو پلیٹ میں سجا دیا۔

یہ باقاعدہ پاگل پن کی پہلی مہر تھی جو اس نے خود اپنے اوپر لگائی تھی۔

دو گھنٹے بعد ہی ہارون ڈاکٹر کو لے آیا۔ ان کے آنے سے قبل پاپا رپورٹس ڈھونڈ کر ہلکان ہو گئے تھے۔

انہوں نے ہارون سے رپورٹس کے بارے میں پوچھا کہ کہاں رکھ کر گیا تھا۔ پاپا سخت مضطرب تھے۔ ہارون کو بھی فکر لاحق ہو گئی، وہ بھی تلاش کرنے لگا۔ پاپا نے بری طرح ہارون کو جھڑک دیا۔

ہارون خود جھنجلا رہا تھا کہ رپورٹس گئیں تو کہاں کمرے میں عجیب بدمزگی پھیل گئی۔

بالآخر ڈاکٹر ہاشمی نے خود پیشرفت کی اور سب سے پہلے ماہم سے پوچھا۔ جو عالم بے نیازی میں بیٹھی کچھ گنگنا رہی تھی کچھ جواب نہیں دیا۔

ڈاکٹر کی نگاہ پلیٹ میں پڑے کاغذ کے لقموں پر پڑی۔

"یہ ہیں رپورٹس!" انہوں نے پاپا اور ہارون کو دکھائیں۔

ہارون نے بے بسی سے رپورٹس کا حشر دیکھا جبکہ پاپا کا دل بری طرح سے تڑپ کر رہ گیا کہ ان کی بیٹی کس حد تک پہنچ گئی۔

"بیٹا! یہ کیا ہے؟" ڈاکٹر نے بڑے رسان سے ماہم سے پوچھا۔

اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس بات کا کیا جواب دینا ہوگا۔ یکلخت ہی وہ پریشان ہوگئی۔ چہرہ جھکا ہوا تھا۔ اس لیے کوئی بھی تاثر وہ نہ دیکھ سکے۔

"بیٹا! یہ کیا ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

اس نے چہرہ اٹھایا۔ ہراساں ہو کر ڈاکٹر کو دیکھنے لگی۔ سہ بارہ پوچھا۔ "بیٹا! یہ کیا ہے؟"

"بیٹا! یہ کیا ہے؟" اس نے وہی لفظ دہرا دیے۔ بجائے جواب دینے کے۔

ڈاکٹر نے پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر بولے۔

"یہ روٹی کے لقمے ہیں۔"

"یہ روٹی کے لقمے ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

پھر ڈاکٹر جو جو بات کہتے رہے۔ وہ وہی وہی دہراتی رہی۔ ڈاکٹر ہاشمی اٹھ کھڑے ہوئے۔

پورے خاندان میں اور خاندان سے باہر مشہور ہوگیا تھا کہ ماہم پاگل ہوگئی ہے۔ اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ اس بات کی کہ لوگ اسے پاگل کہہ رہے ہیں۔ جوق در جوق اسے دیکھنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ ایک اچھا خاصا تماشہ بن گئی ہے۔ کئی کئی گھنٹے وہ اپنے کمرے میں بند رہتی۔ خاص طور پر جب ڈاکٹر ہاشمی آتے تو وہ کمرے سے ہی نہ نکلتی۔

اور جب لوگوں سے ملنے سے اسے منع کیا جاتا تو وہ بڑھ چڑھ کر لوگوں میں موجود ہوتی اور یہ ہارون کا ہی لائحہ عمل تھا کہ جو بھی ماہم کو دیکھنے آتا۔ وہ لوگ بغیر ماہم سے ملوائے ہی اسے رخصت کر دیتے۔ یہ کہہ کر کہ اس نے دوائی لی ہے یا آرام کر رہی ہے وہ تماشا نہ بنے۔

لیکن آج اچانک ذکریا ماہم سے ملنے آ گیا۔

وہ سب لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ابھی انہی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ کلیم اللہ نہیں چاہتے تھے کہ ذکریا ماہم کو اس حالت میں دیکھے۔ لیکن ایسا ہونا تھا۔

ذکریا نے سلام کیا۔ اس کے علاوہ سب نے جواب دیا۔ وہ آسمان کی طرف بلاوجہ ہی دیکھے چلی جا رہی تھی۔

ہارون نے شانہ ہلا کر اسے متوجہ کیا۔

ذکریا نے ایک بار پھر سلام کیا۔ وہ بجائے جواب دینے کے زور زور سے ہنسنے لگی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

ہارون اور پاپا بہت بری کیفیت سے دوچار تھے۔ ذکریا نے سٹپٹا کر پہلو بدلا تھا۔

''ماہم! یہ ذکریا ہیں۔'' ہارون نے بدقت تمام تعارف کرایا۔ کلیم اللہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''ذکریا۔ ذکریا ایکسپریس!'' اس نے تعجب سے سوال کیا۔ ''مگر یہ اسٹیشن سے ہمارے گھر کیوں آ گئی، ہم نے کہیں نہیں جانا؟''

اس نے معصومیت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔ ذکریا اس کے ذہنی توازن کا اتنا بگاڑ دیکھ کر چکرا کر رہ گیا۔

اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں پر ذکریا کے تاثرات ناقابل اعتبار حد تک تغیر و تبدل کا شکار ہو رہے تھے۔ کلیم اللہ سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھے تھے۔ یہ ہارون ہی کی ذہانت اور ضبط تھا کہ وہ ماحول اور لوگوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ لیکن کب تک۔

''انکل! یہ تو بالکل پاگل ہو چکی ہے۔ آئی کانٹ بلیواٹ۔ میں تو ہرگز یقین نہ کرتا اگر ڈیڈی سے بھی سنتا تو تو۔ تھینکس گاڈ کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا انکل جی! میں چلتا ہوں۔ ڈیڈی آپ سے خود بات کریں گے۔''

کلیم اللہ جاں صدمے سے دوچار تھے جبکہ ہارون سے ذکریا کا تمسخرانہ انداز ہرگز برداشت نہ ہو رہا تھا۔ ذکریا کے جانے کے بعد اس نے درزدیدہ نگاہوں سے ماہم کی جانب دیکھا۔ جو پھر بے خیال نگاہوں سے آسمان کی طرف بلاوجہ ہی دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''ڈاکٹر صاحب! ماہم اگر چیک اپ کرانے پر آمادہ نہ ہوئی تو علاج کس طرح ممکن ہوگا؟ ہماری تو پریشانی بڑھتی جا رہی ہے۔''

''میں نے ان کی رپورٹس کے ڈیلی کیٹ نکلوائے ہیں صد شکر کہ یہ فزیکلی بالکل ٹھیک ہیں۔ صرف حادثے کے وقت خوف کی کیفیت نے ان کی یادداشت کو متاثر کیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر اعتبار زیدی سے ان کا کیس ڈسکس کیا ہے۔ تشوش کی کوئی بات نہیں ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ کچھ ادویات میں نے لکھ دی ہیں۔ آپ یہ دوائیں استعمال کرائیے، ہر ہفتے ان کا چیک اپ کرائیں اور ان ہدایات پر عمل کریں۔''

☆ ☆ ☆

جس مقصد کے لیے اس نے ایسا کیا تھا اس سے تو اسے نجات مل گئی تھی اب کیسے ظاہر کرے کہ وہ بالکل نارمل ہے۔

ایک دم سے خود کو نارمل ظاہر کر دینا، بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس نے تو سوچا ہی نہ تھا کہ اس ڈرامے کا کلائمکس کس وقت اور کس مقام پر کرنا ہے۔

وہ تو خود اپنے ہی ڈرامے میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اب ہر وقت اسی الجھن میں رہتی کہ خود کو کس طرح اس جال سے نکالے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات کس طرح سمٹے گی، پاپا کو علم ہوگا تو انہیں بہت تکلیف ہوگی۔

ہارون جو اتنی ہمدردی اور محبت سے پیش آ رہا ہے، اس کا تو گلا ہی دبا ڈالے گا۔ حقیقت جان جانے پر، پھر سب کی نظروں میں وہ کس قدر

گر جائے گی۔ آخر ایسی کیا صورت حال نکالی جائے کہ اس کی عزت بھی بنی رہے اور اس مصیبت سے بھی جان چھوٹے۔

اسے کچھ بھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ اپنے گرد بنائے گئے جال میں از خود گرفتار ہوتی جا رہی تھی۔

سب کو پاگل بنانے میں آسانی سے کامیاب تو ہو گئی تھی مگر خود کو نارمل بنانے میں بڑی دشواریاں نظر آ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

شام کے ملگجے سائے پھیل رہے تھے۔ ہوا بہت ٹھنڈی اور پیاری چل رہی تھی۔ وہ لان کی سیڑھیوں میں گھٹنوں پر کہنیاں جمائے دونوں ہاتھوں کے پیالوں میں چہرہ رکھے انہی سوچوں میں الجھ رہی تھی کہ آگے کیا کرنا ہے۔

وہاج حسن گھر میں داخل ہوئے۔ سب ہی روزانہ تقریباً اس سے ملنے آتے رہتے تھے۔ لیکن وہاج حسن آج پہلی بار آئے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی کاروباری مصروفیات بہت زیادہ تھیں جس سے ہر ایک فرد باخبر تھا۔ ان کی غیر موجودگی پر ہر فرد اپنے تئیں یہی سوچ لیتا کہ وہ یقیناً شہر یا ملک سے باہر گئے ہوئے ہوں گے۔

سیف اللہ جاہ لکڑی کا کاروبار بہت بڑے پیمانے پر کرتے تھے۔ کشمیر سے لے کر سیالکوٹ تک ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ لیکن جب سے وہاج حسن اس کاروبار میں والد کے ساتھ شریک ہوئے تھے مزید وسعت اور ترقی کرتے ہی چلے جا رہے تھے۔ اب سیالکوٹ اور چنیوٹ کے کارخانوں سے کھیلوں کا سامان نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ ایشیا کے تمام ممالک میں ایکسپورٹ ہوتا تھا۔ پھر فرنیچر اور تعمیری اشیاء کے علاوہ خاص طور پر منقش دروازے اور کھڑکیاں مسلم ممالک تک میں آرڈر پر جاتے تھے، جس کی وجہ سے وہاج ٹورز پر رہتے۔

اس بار جب وہ سری لنکا سے بہت بڑا پراجیکٹ لے کر آئے تو سمیعہ کے منہ سے یہ خبر سن کر گنگ رہ گئے کہ ماہم پاگل ہو گئی ہے۔

مگر کیسے۔ کب اور کس طرح۔ انہیں بالکل بھی یقین نہیں آیا تھا لیکن جب ساری تفصیل سنی تو ایک رات کاٹنا ان کے لیے آزمائش بن گیا کہ کس طرح پل بھر میں اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس سے ملیں، اسے جا کر دیکھیں، ایسا کیوں ہو گیا تھا۔

ماہم پہلی اور آخری لڑکی تھی، جس سے انہوں نے محبت کی تھی اور پھر اسے اپنانے کی چاہت ہوئی تھی۔

لیکن اس بات کا کبھی بھی انہوں نے اظہار نہیں کیا تھا۔ ایک خاص وقت کے انتظار میں تھے کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو تو بابا جان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر کے اسے زندگی بھر کے لیے مانگ لیں گے پھر انکار کی کوئی صورت بھی انہیں نظر ہی نہ آتی تھی۔ اسی لیے ہر وقت مطمئن بھی رہتے کہ جب مانگیں گے، وہ انہیں مل جائے گی۔ لیکن یہ اطمینان ایک پل میں ہی ہوا ہو گیا جب انہوں نے سنا کہ اس کا رشتہ شہر کے بہت بڑے رئیس زادے سے طے ہو گیا ہے۔ ان کے دل کا کاسہ خالی رہ گیا۔

زندگی میں بے اطمینانی نے جگہ لے لی تھی۔ مگر دل کی دھڑکنوں میں اب بھی وہی بستی تھی۔ حالانکہ وہ لاحاصل تھی۔ لیکن انہیں اچھی لگتی تھی۔ جب بھی وہ ان کا مذاق اڑایا کرتی، بدھو، احمق کے نام سے پکارتی۔ انہیں برا ہی نہ لگتا۔ خاموشی سے سن لیتے۔

اعظم چچا کی شادی میں جب شور ہنگاموں میں ان کے سر میں درد ہو گیا تھا اور امی سے سردبوا رہے تھے۔ تب وہ گلا پھاڑتی ہوئی کمرے

میں آئی تھی۔ جانے کسے ڈھونڈ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر ہنسنے لگی۔ تائی جان نے اسے خاموش ہونے کے لیے کہا تھا کہ ان کے سر میں آوازیں اور شور سے درد ہو رہا تھا تو وہ مزید ہنسنے لگی تھی۔

تائی جان! آپ کے ان صاحبزادے کو تو کوئی چھوئی موئی سی صاحبزادی ہونا چاہئے گا۔''

بظاہر وہ سو رہے تھے مگر سن رہے تھے۔

انہیں جب بھی برا نہیں لگا۔ وہ اکثر ایسے ہی جملے کہہ دیتی۔ تائی چچی جب تک اسے جھڑک نہ دیتیں، وہ خاموش نہ ہوتی۔

اور ایک بار تو اس نے منہ پر کہا تھا۔ جب اعظم چچا کو گھوڑی پر بٹھا رہے تھے، باہر سے انہیں کسی نے سرخ دوپٹہ لینے کے لیے اندر بھیجا تھا۔ جانے کونسی رسم ادا کرنا تھی۔ وہ سمیعہ سے دوپٹہ لینے اس کے کمرے میں آئے تھے، بہت ساری لڑکیوں کو کمرے میں اکٹھا دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ عموماً لڑکیوں سے کتراتے تھے۔ نگاہیں نیچی آواز بھی دھیمی، پھر بھاگ بھاگ کر سب کے کام کرنا۔ وہ خوب ان پر ہنستی۔

جب وہ الٹے قدموں باہر نکلے تو سمیعہ نے پوچھا تھا۔

''بھائی! کچھ چاہیے تھا آپ کو!''

ان کی نظریں سامنے کھڑی ماہم پر پڑیں تو مزید حواس باختہ ہو گئے۔ کم اعتمادی کم عمری کا حصہ ہوا کرتی ہے، تھوک نگل کر بمشکل کہا تھا۔

''ہاں دوپٹہ چاہیے تھا۔''

ان کی ادھوری بات ہی ماہم کے ہاتھ مشغلہ بن گئی۔ قہقہہ لگا کر ماہم ہنسی تھی۔

''بہت دیر سے ضرورت محسوس ہوئی آپ کو؟'' حالانکہ آپ کو دوپٹہ بہت پہلے لے لینا چاہیے تھا۔''

اس بات پر انہوں نے بے انتہا خفت محسوس کی تھی۔ کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئی تھیں۔ لڑکیاں ماہم کی بات پر دل کھول کر ہنسی تھیں۔

سمیعہ نے جلدی سے انہیں مطلوبہ دوپٹا تھما دیا تھا۔ وہ شرمندگی سے الٹے قدموں پلٹے تھے۔ برا پھر بھی نہیں لگا تھا۔ اس کی ہر بات ہی اچھی لگتی تھی۔ ہر جملہ ایک تعلق سا وابستہ کر دیتا تھا۔

پھر یہ شوخیاں ختم ہوئیں۔ وہ انہیں نظر انداز کر دیتی۔ توجہ ہی نہ دیتی۔ نظر اٹھا کر ہی نہ دیکھتی۔ جب بھی ان کی سانسوں میں بستی گنگناتی تھی اور آج بھی مکمل سپردگی کا اختیار کھو دینے کے باوجود وہ پاگل لڑکی ان کے دل میں زندگی کی طرح بھی دھڑک رہی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اس کی طرف آئے تھے۔

اسے پکارا تھا۔ وہ دنیا جہان سے بیگانہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ ان کی نگاہیں اس پر سے پلٹنا بھول گئی تھیں۔ نہ اس نے ان کی نظروں کو تپش محسوس کی تھی اور نہ پکارے جانے پر ان کی طرف دیکھا تھا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ انہیں اب بھی نظر انداز کر رہی ہے۔ لیکن پھر انہیں اچانک ہی خیال آیا کہ وہ کسی بھی احساس کے زیر اثر نہیں ہے۔

اور وہ کس بے اختیاری سے اسے دیکھے جا رہے تھے، انہیں یک بیک احساس ہوا تو خود ہی پشیمان ہو گئے، انہیں یہ سب زیب نہیں دیتا

تھا۔ یہ نہ ان کی فطرت تھی اور نہ عادت، لیکن اسے سامنے دیکھ کر یہ بے اختیاری عمل خود بخود سرزد ہو جاتا تھا۔ وہ اٹھی اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔

اور انہیں لگا تھا جیسے وہ ابنارمل نہیں ہے۔ کیا انہوں نے اتنی گہرائی سے دیکھا تھا اسے یا اس کی محبت میں اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ اس کی کوئی بھی خامی دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ خود اپنی سوچ پر الجھ کر آگے بڑھ گئے تھے۔

چچا کی پریشانی پر وہ خود بھی بے چین ہو گئے۔ اس کے علاج کے بارے میں کافی تفصیل سے بات چیت کرتے رہے۔ گاہے بگاہے۔ ہارون بھی اس گفتگو میں حصہ لیتا رہا۔

چچا ڈاکٹر ہاشمی کے علاج سے کافی حد تک مطمئن تھے لیکن وہ آج کل ایک ہی پریشانی میں مبتلا ہوئے جا رہے تھے کہ ماہم نے اب بالکل بولنا چھوڑ دیا تھا۔

پہلے تو وہ کچھ اوٹ پٹانگ باتیں کر بھی لیا کرتی تھی۔ لیکن اب تو جیسے اس کے منہ میں گوند لگ گئی تھی۔

اور اس کے بارے میں وہ بہت فکر مند تھے۔ وہاج انہیں تسلیاں دیتے رہے۔

''انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بس دعا کیجئے۔'' لیکن ان کا دل خود اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو ہارون نے کہا تھا۔

''وہاج بھائی! ماہم سے تو ملتے جایئے۔ کیونکہ جس کی عیادت کے لیے جاتے ہیں۔ تکلفاً یا رسماً اس سے مل ہی لیتے ہیں۔'' ہارون نے ہنس کر کہا تو وہ سادگی سے مسکرا دیے۔ حالانکہ ان کے دل میں بہت سی خواہشیں مچل رہی تھیں۔

ہارون کی ہمراہی میں وہ اس کے کمرے میں آ گئے۔ وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ بالکل چپ چاپ۔ پہلی نظر اس پر پڑی اور دل میں شدید خواہش پیدا کہ اس لڑکی کو جھنجھوڑ ڈالیں اور چیخ چیخ کر کہیں کہ تم پاگل نہیں ہو۔ ہاں تم پاگل نہیں ہو۔

مگر پھر اپنی دیوانگی پر قابو پایا۔

جو سچ ہے وہ سامنے ہے مگر دل اس سچائی کو کیوں قبول نہیں کر رہا۔ اس کشمکش میں انہوں نے دوسری نظر ڈالنے میں از خود اجتناب برتا۔ اور وہ ہارون سے ہی گفتگو کرتے رہے۔

ہارون کے لیے ان کا یہ انداز وہی پرانا اور فطری تھا کہ وہ خواتین سے ایسے ہی اچٹتی، اٹھتی گرتی نگاہوں سے ہی مختصر گفتگو کیا کرتے تھے۔

جلد ہی وہ اٹھ کر چلے گئے۔

اور دو دن یونہی خود کو جھٹلاتے گزرے۔ بالآخر تیسرے روز ان سے رہا نہ گیا اور وہ آفس جانے سے پہلے چچا کے ہاں آ گئے۔ ہارون باتھ روم میں تھا۔ چچا آفس جا چکے تھے۔ وہ ٹیرس پر کھڑی تھی۔ انہوں نے لان میں سے اسے دیکھا اور گھر کے کسی بھی فرد سے ملے بغیر بلا جھجک اوپر آ گئے۔

''صبح بخیر'' بڑے ہشاش بشاش انداز میں سلام کیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

وہ بدستور خاموش ریلنگ پر ہاتھ رکھے نیچے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

''کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟'' انداز وہی پہلے والا تھا۔ جواب پھر بھی نہیں ملا۔

وہ ایک دم ایسی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئے جیسے دیواروں سے باتیں کر رہے ہوں۔ شاید یہ ان کا وہم ہو۔ لیکن نہیں۔ انہوں نے پر اعتماد نگاہ اس پر ڈالی پھر توقف سے بولے۔

''ماہم! آپ ابنارمل تو نہیں ہیں۔ پھر آپ بول کیوں نہیں رہیں؟''

اور ماہم کو لگا جیسے اس کے سامنے سے پردہ کسی نے یکلخت ہٹا کر اسے ڈھونڈ لیا ہو۔

وہ چونکنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر چونک گئی۔ آخر انہوں نے کس طرح محسوس کیا۔ جبکہ وہ ڈاکٹر کو پاگل بنانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اس پاگل نے کیسے اسے کھوج نکالا تھا۔ وہ اسی انداز میں کھڑی تھی۔ جیسے یہ فقرے اس کے لیے بے معنی ہوں، وہ کہہ رہے تھے۔

''پاگل لوگوں کی آنکھیں ویران اور بے خیال ہوتی ہیں۔ جبکہ آپ ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں الجھی معلوم ہوتی ہیں۔ شاید آپ کو کسی نے بتایا نہیں۔ آنکھیں دنیا کا سب سے بڑا سچ ہیں۔ وہ ہمارا باطن عیاں کرتی ہیں اور آپ کی آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ کھوئی ہوئی نہیں ہیں، زندہ ہیں۔''

انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور اس کے تاثرات لیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اگلے ہفتے ہی اچانک ڈاکٹر ہاشمی خود اس سے ملنے آگئے۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی، یوں لگ رہا تھا۔ اس کے زندان کی چابی ڈاکٹر کے پاس ہے اور وہ جلد ہی آزاد ہو جائے گی۔ لیکن اس نے اپنی کسی بھی کیفیت کا اظہار نہ کیا۔ کیونکہ وہ پاپا اور ہارون کی غیر موجودگی میں ڈاکٹر ہاشمی سے مسئلہ ڈسکس کرنا چاہتی تھی

''ہاں بھئی! اب ہمارا پیشنٹ کیسا ہے؟'' انہوں نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔ لیکن وہ سر جھکائے انگشت شہادت سے میز پر لکیریں کھینچتی رہی۔

وہ پاپا سے بات چیت کرتے رہے۔ پاپا اس کے طور طریقوں کے بارے میں ان سے ڈسکس کر رہے تھے۔ اس میں جو نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں وہ بتا رہے تھے۔ کافی دیر تک سلسلہ کلام جاری رہا۔ ڈاکٹر ہاشمی کافی حد تک مطمئن تھے۔

ساری بات سن کر کہنے لگے۔

''کلیم اللہ صاحب۔ آپ ایسا کریں ان کی شادی کر دیں۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا'' ڈاکٹر کی بات پر پاپا دم بخود رہ گئے۔ ہارون کمرے میں موجود نہیں تھا۔

ورنہ ڈاکٹر کا یہ مشورہ اسے گالی سے کم نہ لگتا۔ وہ ذرا فاصلے پر بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر کا اور پاپا کا انداز بہت دھیما تھا۔ ان کا خیال تھا اس تک ان کی آواز نہیں جا رہی ہوگی۔ مگر وہ سب کچھ سن رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب آپ کیسی بات کر رہے ہیں!'' وہ نئے صدمے سے دوچار ہو کر بولے تھے۔

''کلیم اللہ صاحب! میں یہ مشورہ آپ کو انتہائی خلوص اور تجربے سے دے رہا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی ٹھیک ہو جائے تو اس کی شادی جلد از جلد کر دیجئے۔''

''شادی تو ڈاکٹر صاحب کرنی ہی ہے۔ اور خدانخواستہ میری بیٹی کی عمر تو نہیں نکلی جا رہی۔ میں تو بڑی دھوم دھام سے شادی کروں گا اپنی بیٹی کی۔ مگر ان حالات میں شادی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے۔'' وہ تڑپ کر بولے تھے۔

''دیکھیے کلیم صاحب۔ میں ایک ڈاکٹر ہوں دوا دوں گا یا مشورہ وہ آپ لوگوں کے بھلے کے لیے ہی ہوگا۔ میں آپ کو کسی بھی خوش فہمی میں رکھنا نہیں چاہتا۔ جس طرح ممکن ہو سکا تھا۔ ہم نے کوشش کی اور رزلٹ بھی آپ کے سامنے ہے مگر اس بات پر یقین کر کے بیٹھ جانا کہ ماہم ایک دم سے ٹھیک ہو جائے گی بالکل غلط ہے۔ شادی تو آپ نے کرنی ہی ہے ناں۔ اب کر دیجئے۔ کیونکہ زندگی کے اندر خوشگوار تبدیلیاں لانے سے خوشگوار اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔''

وہ آہستہ آہستہ پاپا کو قائل کر رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر تھے اور ان کی ہر بات ہر دلیل سند کی حیثیت رکھتی تھی۔

''کلیم! ڈاکٹر ہاشمی نے صحیح کہا ہے۔ ماہم کی شادی کر دو۔ میں تو خود اتنے دن سے یہی بات سوچ رہا تھا۔ مگر کہا اس لیے نہیں کہ کہیں تمہیں برا نہ لگے۔''

http://kitaabghar.com
کتاب گھر کی پیشکش

’’کافی دیر سے کلیم اللہ پریشان بیٹھے تھے اور...... حبیب اللہ انہیں اپنی رائے سے نواز رہے تھے۔ بلکہ سو فیصد ڈاکٹر ہاشمی سے متفق نظر آ رہے تھے۔

’’مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حالت میں اس سے شادی کرے گا کون؟‘‘ بالآخر اعظم چچا نے پہلو بدل کر سوال کیا۔ آخر اس بحث کو کسی انجام تک بھی تو پہنچانا تھا۔

’’حد کرتے ہو اعظم تم بھی؟‘‘ حبیب یک بیک اشتعال میں آ گئے۔ ’’خاندان میں لڑکوں کی کمی ہے۔ کیا؟ جس بھائی یا بہن کے بچے پر کلیم اللہ ہاتھ رکھے گا وہی اس گھر کا داماد ہوگا‘‘ انہوں نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ ’’اور پھر آزمائش کے وقت اپنے ہی کام آتے ہیں۔ ایسے وقت پر اپنے ہی اپنوں کے لیے قربانیاں دیتے ہیں۔‘‘ وہ اچھی خاصی تقریر کے موڈ میں تھے۔

’’میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کی وجہ سے کوئی قربانی دے۔ اپنی زندگی کو عذاب میں ڈالے۔ اب جذبات میں آ کر ہم بچوں کو پابند کر کے اس رشتے کے لیے رضامند کر لیں۔ کل کلاں کو اونچ نیچ ہو تو کون دیکھے گا۔ کون سنبھالے گا میری بچی کو میری طرح۔‘‘

کلیم اللہ رتی برابر بھی مطمئن نہیں ہو رہے تھے کہ وہ اس حالت میں اسے خود سے جدا کریں۔

’’دیکھو کلیم! ایسی باتیں غیروں کے لیے سوچی جاتی ہیں اپنوں کے لیے نہیں۔ ماہم تمہاری ہی نہیں ہماری بھی بیٹی ہے۔ تم یہ بات نہ سوچو۔‘‘ سیف اللہ نے محبت سے کہا۔ ’’بس فیصلہ کرو۔‘‘

’’بالکل!‘‘ حبیب بولے۔ ’’اور پھر یہ سوچو آج تمہارے سب بھتیجے، بھانجے کنوارے ہیں۔ رفتہ رفتہ سب رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں گے۔ بے شک ماہم کے لیے رشتوں کی کمی نہیں تھی اور نہ ہے۔ مگر جب باہر کا ایک رشتہ کیا ہوا ٹوٹ گیا تو پھر مزید رشتے کی توقع کرنا تو احمقانہ سوچ ہوگی اور میں تو اس حق میں تھا ہی نہیں کہ رشتہ باہر ہو، مگر تمہاری خوشی کے آگے خاموش رہا۔ جب گھروں میں برابر کے بچے ہیں تو آپس میں رشتہ داری سے اچھا اور کیا ہوگا۔‘‘

انہوں نے بات مکمل کر کے حاضرین سے اتفاق چاہا۔

’’بالکل۔ بالکل۔‘‘ سب نے اتفاق سے کیا۔

’’اور ہم تو یہی سوچتے تھے کہ کلیم بھائی اور حبیب بھائی آپس میں ہی رشتہ داری کریں گے۔ کیونکہ ہارون اور ماہم کے مابین بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ دونوں اکٹھے ہی پلے بڑھے ہیں۔ اس سے کامیاب شادی میرے نزدیک ہو ہی نہیں سکتی۔‘‘

عظیم چچا نے اپنی رائے سے نوازا۔

’’بالکل۔‘‘ حبیب پرجوش انداز میں بولے۔ ’’اور میں تو اب بھی خواہش مند ہوں کہ ماہم ہارون سے منسوب ہو کر میرے گھر آئے۔‘‘

ہارون ابو کی بات پر بوکھلا کر رہ گیا۔ ابو کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی تھی۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ خالہ کی بیٹی دیبا میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اور بارہا اس خواہش کا اظہار کر چکا ہے۔

اور یہی خیال کلیم اللہ کا بھی تھا کہ اس وقت ہارون سے زیادہ پرفیکٹ لڑکا انہیں نہیں مل سکتا۔ کہ وہ ان کا دکھ اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ پھر ماہم کے لیے بھی الگ بے چین رہتا تھا۔

انہوں نے بے ساختہ ہارون کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ اس کے اڑے رنگ کو دیکھ کر کلیم اللہ کی آس ٹوٹ گئی۔ حسیب اللہ کہہ رہے تھے۔

''ہارون یہ ذمہ داری احسن طریقے سے سنبھال سکتا ہے۔''

''مگر ابو! میں نے تو ایسا کبھی نہیں سوچا۔ بخدا میں ماہم کو بہنوں کی طرح سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''خاموش رہو۔ وہ تمہاری بہن تو نہیں ہے۔ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے سب کزنز بہن بھائی ہی ہوتے ہیں۔'' انہوں نے ہارون کو جھڑکا۔

''مگر۔ مگر۔'' ہارون بے بسی سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن حسیب اللہ نے اپنی گھن گرج کے آگے اسے دبا دیا۔

''حسیب صاحب انہیں بولنے دیجئے۔ یہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر ہاشمی نے اس وقت بولنا ضروری سمجھا تھا۔

''کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ ذمہ داری سے پہلو تہی کر رہا ہے نا ہنجار۔'' وہ بیٹے پر غضبناک ہوئے جا رہے تھے۔ انسان بھی کتنا خود غرض ہوتا ہے۔ اپنی غرض کے لیے دوسروں کے زخموں تک سے لہو نچوڑنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ انہوں نے ہارون کو بھائی کے حوالے کیا تھا تو کسی سوچ، کسی مفاد کے تحت ہی ایسا کیا تھا۔ لیکن جو وہ چاہتے تھے ویسا نہ ہو سکا۔ ہارون نے بڑی ایمانداری اور خلوص سے چچا کا بزنس سنبھالے رکھا۔ پھر انہیں یہ آس تھی کہ بیٹی کا رشتہ کرتے وقت ہارون پر خاص توجہ دیں گے۔ اور یقیناً ہارون ان کا انتخاب ہوگا۔ لیکن یہاں بھی ان کا تیر موافق طور پر نہ چلا اور ان کا انتخاب ذکریا اچکزئی پر ٹھہرا لیکن جب ماہم کی ذہنی حالت کی وجہ سے یہ رشتہ ختم ہوگیا تو وہ بھائی سے ہمدردی کی آڑ میں پہلی بار اپنی خواہش کا اظہار کر رہے تھے وہ بھی بڑے مان سے، لیکن بیٹے کے انکار نے ان کا منصوبے پھر سے خاک میں ملا ڈالے تھے، ڈاکٹر ہاشمی کے بیچ میں بولنے پر انہوں نے کہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب اس کے انکار پر کیا کان دھر رہے ہیں آپ، ہماری اولاد ہے۔ ہم سے باہر نہیں ہے۔''

''مگر حسیب صاحب! اس معاملے میں جذباتی سوچ نہیں چلے گی اور نہ ہی زبردستی کا سودا ہو سکتا ہے۔ یہ ذمہ داری کسی ایسے فرد کو سونپنا ہوگی، جو بہت ٹھہرے ہوئے مزاج کا بندہ ہو۔ غصے پر کنٹرول رکھ سکتا ہو۔ جبکہ ہارون بے حد جذباتی ہے۔ بہت جلد اشتعال میں آ جاتا ہے۔ میں نے کئی بار محسوس کیا ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر جھنجلا پڑتا ہے اور جب مستقل طور پر یہ ذمہ داری سونپی جائے گی تو وہ اپنے مزاج سے لڑے گا یا اپنا رشریک حیات سے۔ ذرا سوچیے ایسی صورت حال میں شادی کس طرح کامیاب ہوگی۔'' حسیب اللہ جز بز ہو کر رہ گئے۔ ڈاکٹر ہاشمی تھوڑا سا مسکرائے پھر کہنے لگے۔

''حسیب صاحب! اپنے اس اینگری مین کے لیے کسی شگفتہ مزاج لڑکی کا انتخاب کیجئے گا۔''

عظیم چچا کو ڈاکٹر کی منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''ہاشمی صاحب! یہ تو روایت ہے کہ مرد کا غصہ اور عورت کی حیا فطری ہوتی ہے۔ غصہ مرد کی مردانگی ہے اور حیا عورت کا روپ، آپ ہارون کو محض اس بنیاد پر ریجیکٹ کر رہے ہیں پھر تو کوئی بھی لڑکا منتخب نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے یہاں تو ماؤں کے لاڈ پیار نے بیٹوں کو اور بھی ضدی اور ہٹیلا بنا رکھا ہے۔ فیصلہ آپ نے بہت مشکل کر ڈالا ہے۔''

بات تو سوچنے والی تھی۔ ڈاکٹر خود تفکر کا شکار نظر آ رہے تھے۔ بے شک یہ ان لوگوں کا ذاتی معاملہ تھا لیکن ڈاکٹر کی رائے اس لیے لی جا رہی تھی کہ یہ فیصلہ علاج کے طور پر بھی ہو رہا تھا۔ اور کلیم اللہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوئی غلط فیصلہ کریں۔ اس لیے انہوں نے انہیں بلایا تھا۔

''کلیم اللہ! ذرا غور کرو۔ تو تمھیں اپنے ہی خاندان میں وہ گوہر نایاب بھی مل جائے گا۔ جس کی تمھیں اس وقت تلاش ہی نہیں ضرورت بھی ہے۔'' سیف اللہ نے رسان اور خلوص سے کہا تو سب کے ذہن یکلخت وہاج حسن کی طرف گئے۔

''میرا سعادت مند بیٹا وہاج حسن۔'' انہوں نے تفاخر سے وہاج کا نام لیا۔

کلیم اللہ نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔ ہاں وہاج بھی تو تھا۔ مگر ان کا ذہن اس بات پر سدرہ آپا کے بڑے بیٹے عادل پر بھی گیا تھا کہ وہ بھی تو سلجھے ہوئے ذہن کا لڑکا تھا۔ سدرہ آپا نے پیشکش بھی نہ کی تھی۔ وہ کرتیں بھی کیسے کیونکہ عادل نے ابوظہبی میں شادی رچالی تھی اور یہ بات صیغہ راز میں تھی جس سے صرف سدرہ پھپھو ہی واقف تھیں۔ اس لیے وہ خاموش بیٹھی تھیں اور ان کی خاموشی کو کلیم اللہ پہلو تہی سمجھ رہے تھے۔ جب ہی انہوں نے بڑے بھائی کی پیش کش پر دلبرداشتہ ہو کر کہا تھا۔

''ہاں وہاج بہت صابر اور شاکر بچہ ہے۔ لیکن اس سے پہلے مرضی پوچھ لیجیے۔ میں نہیں چاہتا اس قربانی میں کسی کا نقصان ہو۔''

''کیسی بات کر رہے ہو کلیم! میرا بیٹا بہت سعادت مند ہے فوراً سر جھکا دے گا۔''

''لیکن میں سر سے زیادہ دل کے جھکاؤ پر یقین رکھتا ہے سر جبراً جھکائے جا سکتے ہیں مگر دل محبت سے جھکتے ہیں۔''

''کلیم! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔'' سیف اللہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تمھیں وہاج سے پوچھ کر ہی جواب دوں گا۔''

اور اس کے ساتھ ہی محفل برخاست ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

سیف اللہ نے وہاج حسن کے گوش گزار سارا مسئلہ من و عن بیان کیا پھر ان سے ان کی رضامندی پوچھی تو وہ گنگ رہ گئے وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کی محبت کا ملاپ خود بخود زندگی کے اس موڑ پر یوں ہو جائے گا۔ ان کی کیفیت ایسی تھی جیسے قیمتی کھوئی ہوئی چیز پھر سے مل جائے۔ مگر وہ اس وقت کسی بھی خوشی کا اظہار نہ کر سکے۔ بس سادگی سے یہی کہا تھا۔

''جیسے آپ کی مرضی۔ میری طرف سے آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سیف اللہ کو امید تھی بلکہ یقین کامل تھا کہ ان کا بیٹا کبھی بھی انکار نہیں کرے گا۔ بلقیس بیگم نے بڑھ کر بیٹے کی پیشانی چوم لی۔ کبھی بھی کسی چیز کی ضد نہیں کی۔ کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ ہمیشہ ہر بات میں بیٹیوں کی طرح سر جھکا دیا۔ اور اب بھی ماں باپ کی خاطر اتنی بڑی قربانی دے رہا ہے۔ بلقیس کی آنکھوں میں اشک رواں ہو گئے تھے۔

''امی! آپ کو کیا معلوم یہ قربانی میرے لیے کتنا بڑا انعام ہے۔''

وہاج حسن نے ماں کی آنکھوں کے آنسو پوروں میں جذب کر لیے، پھر کہنے لگے۔''

''قربانی تو بہت عظیم لوگ دیتے ہیں۔ یا پھر شاید بحالت مجبوری کا نام ایثار ہو۔ مگر میں صرف اپنی والدین کی خوشنودی کو اپنی زندگی کی خوشی سمجھتا ہوں۔''

ان کی بات پر بلقیس نہال ہی ہو گئیں۔ انہوں نے مسکرا کر ماں کی گود میں سر رکھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دوسرے ہی روز وہ لوگ انگوٹھی پہنانے کے لیے آ رہے تھے۔ سیف جاہ اور بلقیس بیگم کی یہی خواہش تھی کہ منگنی سے لے کر شادی تک ہر رسم باقاعدہ اور دھوم دھام سے ادا ہوگی اور اسے جب پتا لگا کہ اتنی جلدی یہ بات اس طرح طے ہو گئی ہے تو وہ گنگ رہ گئی۔

''ڈاکٹر کے شادی والے مشورے پر وہ جی جان سے جل کر رہ گئی تھی۔ بس نہیں چلا تھا کہ ڈاکٹر کا سر پھاڑ ڈالے۔ وہ تو اندازہ ہی نہیں کر سکتی تھی کہ ڈاکٹر اس کے لیے اتنے انوکھے علاج کا مشورہ دیں گے۔ طرہ وہاج حسن کا پروپوزل پھر باقاعدہ منگنی کا اہتمام، اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

آخر ایسی بھی کیا آفت آن پڑی تھی جو شادی ہی زندگی کا مقصد رہ گئی تھی۔ آخر اس بات سے ہٹ کر زندگی میں کوئی بات ہی نہیں رہی تھی کیا؟ اس کا سلگ سلگ کر برا حال تھا۔

وہ جو زندگی کے چیپٹر کو اچھی طرح سے انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ من پسند زندگی گزار کر۔ آزادی کے ساتھ۔ اپنی خواہش اور فیصلوں کے ہمراہ اب ناپسندیدہ کھینچے گئے حصار میں جھنجھلا اٹھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز اسے بڑی دھوم دھام سے وہاج کے ساتھ رسمی طور پر منسوب کر دیا گیا۔ محض انگوٹھی کا رشتہ تھا۔ ٹوٹ بھی سکتا تھا لیکن جب تائی جان نے پاپا سے کہا کہ وہ آج ہی شادی کی تاریخ دے دیں، تو وہ حواس باختہ رہ گئی۔

بلاوجہ ہی انگوٹھی کو گھور گھور کر دیکھے جا رہی تھی۔ رات انگاروں پر بسر ہوئی۔ لو بھلا شرافت کا زمانہ ہی نہیں رہا۔ اب اگر میں وقتی طور پر منگنی پر رضامند ہو گئی ہوں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس ہونق سے شادی بھی کر لوں گی۔

''آ جائیں ذرا ڈاکٹر ہاشمی۔ پوچھ لوں گی ان سے، پتا نہیں کس نے انہیں ڈاکٹر بنا دیا۔ ایک لڑکی نے چلا دیا اور چل گئے۔ اوپر سے مشورہ

دیکھو کیا عظیم الشان دے گئے ہیں۔
اور وہ موصوف کس خوش فہمی میں ہیں۔ٹھیک کر دوں گی انہیں بھی۔
وہاج حسن کے پاس جانے کی اسے ضرورت اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ سب کی نظروں میں وہ ایک ابنارمل لڑکی تھی۔انکار کر کر کے تھک جاتی مگر اس کی بات ہرگز نہ سنی جاتی، نہ مانی جاتی۔جب تک ڈاکٹر ہاشمی نہیں آتے یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا۔اس بات کا حل یہی تھا کہ وہاج حسن خود انکار کر دیں۔

☆ ☆ ☆

وہاج حسن اچانک اسے اپنے آفس میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔بلا ارادہ ہی وہ اپنی نشست سے اٹھے تھے، حیرانگی خوشی۔عجیب طرح کی کیفیات سے دوچار ہو کر اور اس کے چہرے پر اتنا غصہ، آنکھوں میں رعونت۔لب سختی سے بھنچے تھے۔تمام تر احساسات نارمل انسانوں والے تھے۔
آخر انہیں ہی ایسا کیوں لگتا تھا کہ وہ نارمل ہے۔
''تشریف رکھیے۔'' انہوں نے بڑے رسان سے کہا۔ہر لحاظ سے وہ ان کے لیے قابل احترام اور محبت کے رویے کی حق دار تھی۔دوسرے یہ کہ ان کا انداز تخاطب ہر شخص سے اتنا دھیما اور میٹھا ہوا کرتا تھا۔
ماہم نے غصے سے انہیں دیکھا اور کہنے لگی۔''میں یہاں آپ کی ہمدردی لینے نہیں آئی ہوں۔کیونکہ میرے مونس اور غمخواروں کی دنیا میں کوئی کمی نہیں ہے۔''
وہاج حسن اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔
''میں یہاں صرف اتنا بتانے آئی ہوں، وہاج حسن کہ میں ابنارمل لڑکی نہیں ہوں۔''
یہ لفظ، یہ جملے ان کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا کر گئے۔جیسے اس نے اپنے نارمل کا نہیں محبت کا اعتراف کیا ہے۔
''مجھے معلوم ہے۔آپ ابنارمل نہیں ہیں۔'' وہ خوشی چھپا کر سکون سے بولے۔
''پھر بھی، پھر بھی وہاج آپ نے اس کو نہیں بتایا اور اس فیصلے پر جانتے بوجھتے ہوئے رضامند ہو گئے۔آخر کیوں؟''
اس نے تلخی سے پوچھا۔پھر اسی انداز میں بولی۔
''کسی کو نہ بتانے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ حسب عادت آپ اپنے اندازے پر غیر اعتمادی کا شکار ہوں گے۔جبھی اس بات کی تشہیر نہیں کر سکے لیکن آپ کو ذی ہوش ہونے کی بدولت یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ آخر میں پاگل کیوں اور کس واسطے بنی ہوئی ہوں۔'' وہ یک بیک تلخی کا شکار ہو گئی۔''اگر مجھے آپ جیسا ہی قبول ہوتا تو میں ذکریا اچکزئی کے حق میں ہی نہ ووٹ دے دیتی۔جس سے جان چھڑانے کے لیے میں نے یہ ناٹک رچایا۔اس سے جان چھوٹی تو آپ آ گئے۔''
وہاج حسن کے پورے وجود میں خون کے بجائے آگ گردش کرنے لگی۔

اسے اچانک اپنی تلخی کا احساس ہوا تو خود کو قدرے نارمل کر کے بولی۔

''دیکھیے حسن جاہ! بات سادہ سی یہ ہے کہ اگر میں بالفرض نارمل ہوتی تو میرے لیے آپ کے بارے میں کوئی سوچتا بھی نہیں۔ پورے خاندان کے لڑکوں میں آپ کو منتخب اس لیے کیا گیا ہے کہ میرے ساتھ زندگی گزارتے وقت آپ کا رویہ حلیم رہے۔''

اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''ڈاکٹر اور بزرگوں کے نزدیک مجھے سنبھالنے کے لیے ایسے مرد کی ضرورت ہے جو میری زیادتیوں کو صبر سے سہہ سکے۔ قصہ مختصر ٹھنڈے مزاج کا ہو۔ سو آپ نظر انتخاب بن گئے۔ لیکن جب میں پاگل ہی نہیں تو پھر آپ کا انتخاب تو بے معنی ہو گیا ناں وہاج حسن۔ بالکل ایسے ہی جیسے اپاہج تندرست ہو جائے تو بیساکھی بے کار ہو جاتی ہے، تو سن لیجیے۔ آپ کو میرے لیے بیساکھی کے طور پر منتخب کیا جا رہا ہے، اور کچھ بھی نہیں''

اس کے یہ لفظ وہاج حسن کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئے۔

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

ان کی چاہت کا اتنا بڑا مذاق اتنی تذلیل۔

''اس لیے براہ کرام۔ آپ اپنی طرف سے یہ رشتہ ختم کر دیجیے۔ میں انکار کروں گی تو خوامخواہ بات بڑھے گی، ہنگامہ ہو گا۔''

''ماہم جاہ! آپ یہ کیوں نہیں کہہ رہیں کہ آپ کی بات کوئی نہیں مانے گا۔''

''اس لیے بہتر ہے، انکار آپ کی طرف سے ہو اور سکون سے بات ختم ہو جائے۔ تاکہ میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود سکون اور اطمینان سے کہیں اور کر سکوں۔''

''آخر اس سلسلے میں انکار کیوں کرنا چاہتی ہیں؟''

''انہوں نے پہلی بار بڑے نپے تلے انداز میں سوال کیا۔ بغیر کسی تاثر کے۔ اپنا آپ عیاں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس نے مسکرا کر تنقیدی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔

''اگر یہ فیصلہ اتنا ہی آسان ہوتا تو کب کا ہو چکا ہوتا۔ یہاں تک تو نوبت ہی نہ آتی، بہت مرد آئے میری زندگی میں حسن جاہ! میرے خواہش مند، میرے طلب گار، ایک سے بڑھ کر ایک۔ جنہیں میں نے وقت کی طرح گزار دیا۔ کیونکہ کوئی بھی اس دل کو نہیں جیت سکا تھا۔''

اور پھر وہ ایک ایک بات اتنی ترتیب سے اتنے تفخر سے بیان کرتی گئی کہ حسن جاہ بس سن ہی رہے تھے۔

''اتنے لوگوں میں سے میں کسی ایک کو بھی منتخب نہیں کیا۔ آپ کا شمار تو کہیں بھی نہیں آتا حسن جاہ!''

اس کا انداز بڑا تضحیک آمیز تھا۔ جیسے ہمیشہ سے ہوا کرتا تھا۔ وہ اگر زبان سے نہیں کہہ رہی تھی تو نگاہیں بہت کچھ جتا رہی تھیں۔ کتنی حقارت سے اس نے انہیں رد کیا تھا۔

''دیکھیے حسن جاہ! سارا فساد، ساری جنگ اس دل کی ہے، جو بات اس مقام تک آن پہنچی ہے۔''

کافی دیر تک وہ بولتی رہی۔

''آپ نہیں سمجھیں گے، اور نہ میں آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ آپ جیسا شریک سفر کم از کم مجھ جیسی لڑکی کا آئیڈیل نہیں ہوسکتا۔''

اس کا انداز بدستور وہی تھا۔ کس قدر خوش فہمی اور غلط فہمی کا شکار تھے وہ۔ اس کی نظروں میں ان کی کوئی وقعت ہی نہیں تھی، بچپن سے وہ ان کا مذاق اڑاتی تھی اور وہ خوش رہتے تھے۔ ہر حال میں خوش۔ وہ کیا سمجھتے تھے اور کیا نکلی تھی، وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ نے انکار نہیں کیا تو میں خود انکار کردوں گی۔ یاد رکھیے گا، یہ شادی ہرگز ہرگز نہیں ہوگی اور یہ بھی یاد رکھیے گا کہ میری ضد کے آگے کسی کی مرضی نہیں چل سکتی۔ اگر کسی نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو میں ناک میں دم کر کے رکھ دوں گی، اور پاگلوں سے ہر قسم کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ چلتی ہوں اور ہاں اگر آپ نے یہ سب کچھ اب کسی کو بتانے کی زحمت گوارا کی تو کوئی بھی آپ کی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں ابنارمل لڑکی ہوں۔ مگر بن رہی ہوں۔ یہ بات آپ تو کیا کوئی بھی ڈاکٹر ثابت نہیں کرسکتا۔ جب تک میں خود نہ چاہوں۔''

وہ کہہ کر چلی گئی۔ انہیں لگا جیسے وہ کمرے میں آگ لگا گئی ہو۔ وجود سے لے کر در و دیوار تک سلگ اٹھے تھے۔ ایک بنا بنایا پیکر بھربھری مٹی کی طرح ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ وہ پیکر جو انہوں نے بچپن سے تراشا تھا۔ اتنا گھناؤنا تھا اس کا روپ۔ انہیں اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی۔ وہ جوان کی تذلیل کر گئی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ وہ خود سے نالاں تھے کہ انہوں نے ایسی لڑکی کے بارے میں سوچا ہی کیوں؟ کیا وہ ان کے قابل تھی، اس کا ماضی ذرا بھی قابل اعتبار نہیں تھا۔ تو پھر وہ ان کی محبت کے لائق کس طرح ہو گئی تھی۔

وہ جو کھل کر سامنے آئی تھی۔ ان کے پیروں کی دھول بھی نہیں تھی۔ انہوں نے بڑی نفرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا، اس نفرت میں پچھتاوے ہی پچھتاوے تھے۔

☆ ☆ ☆

رات نیند نہ آنے کے بعد وہ یونہی کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے۔

اس وقت ان کے ہاتھ میں سعد اللہ شاہ کی کتاب تھی "اک کمی سی رہ گئی" ورق الٹے پلٹتے اچانک حسب حال نظم پر ان کی نگاہیں رک گئیں۔

ڈالے لمبی زلف کا گہنا
تیرا سامنے بیٹھتے رہنا
ہاتھ میں بالوں کی لٹ پکڑے
اوپر چھت کو تکتے رہنا
سنتے رہنا کچھ بھی نہ کہنا
تیری سہیلی کا مجھے تکنا
ہنسنا اور کچھ بھی نہ کہنا
ایسے لمحے میں اے پیار سے!
کتنا اچھا لگتا تھا تو!
کان میں اپنی سہیلی کے جب
مجھ کو بدھو کہتا تھا
کتنا اچھا لگتا تھا تو
میرے دل میں رہتا تھا تو
میرے دل میں رہتا تھا تو
میرے دل میں رہتا تھا تو

زیر لب انہوں نے کئی بار دہرایا اور کتاب بند کر کے سینے پر رکھ لی اور کرب سے آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

دونوں طرف شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے اور ساتھ ہی اس کے خود ساختہ پاگل پن کے دورے۔ وہی بار بار مشتعل ہونا۔ لڑنا جھگڑنا۔ اشیاء اٹھا اٹھا کر پھینکنا، چیخنا چلانا کبھی کبھی ٹھیک باتیں کرنا۔ کبھی یک بیک اشتعال میں آجانا اس نے سب کچھ کر ڈالا۔ مگر وہ شادی نہیں روک سکی۔

نہ ہی ڈاکٹر ہاشمی سے ملاقات ہو سکی۔

ادب اور ادیب کا ترجمان' ادب کی روشن کرن

ادبی **قلمکار**

نئے ادیبوں کا رہنما ادارہ جو آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کے مواقع دینا چاہتا ہے۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

ادبی قلمکار کراچی

0333 222 1689

qalamkar_club@yahoo.com

رابطہ ادبی فورم

پوری دنیا کے ادیبوں اور شاعروں کا مشترکہ پلیٹ فارم

رکنیت سازی اور معلومات کے لیے رابطہ کریں۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

ادبی رابطہ انٹرنیشنل کراچی

00 92 333 222 1689

raabtapk@yahoo.com

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

نہ ہی وہاج حسن کی طرف سے کوئی رسپانس ملا۔

اس نے مسلسل ایک فساد برپا کر رکھا تھا۔

کلیم اللہ جاہ ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔

آج اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ پاپا کو سارا سچ بتا دے گی، چاہے وہ ناراض ہوں۔ رسوائی حاصل ہو۔ کچھ بھی ہو، اور وہ یہی سب کچھ بتانے ان کے کمرے میں جا رہی تھی کہ دروازے کے باہر ہی رک گئی۔ اندر سے مبہم سی آوازیں آ رہی تھیں۔ پاپا زار و قطار رو رہے تھے تایا انہیں تسلیاں دے رہے تھے، ہارون علیحدہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

پاپا کی کیفیت جو اس نے دیکھی، اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس نے اپنی ترجیحات کے سامنے یہ رخ دیکھا ہی نہیں تھا کہ اس کے باپ پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ کس تکلیف میں ہوں گے۔ کتنی اندھی ہوگئی تھی۔ وہ ایک خواہش کے آگے۔ پاپا کا تو کوئی بھی نہیں تھا اس کے سوا۔

ندامت سے وہ کمرے میں نہ جا سکی، اور واپس پلٹ آئی، کیا یہ سب اسے کرنا چاہیے تھا اور اب بتا کر وہ کیا کرلے گی، نئے دکھ اور عذاب۔ جو دکھ دے چکی تھی۔ ان کا مداوا صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وہ خاموشی سے شادی پر رضامند ہو جائے۔

یہی ایک نجات تھی یہی ایک راستہ تھا عزت کی زندگی حاصل کرنے کا۔ ڈاکٹر ہاشمی نے کہا تھا وہ اچانک بالکل کبھی ٹھیک نہیں ہوگی، اسے آہستہ آہستہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ٹھیک ہوگئی ہے۔

ہاں۔ وہ وہاج حسن سے ہی شادی پر رضامند ہو جائے گی۔ خاموشی اختیار کرے گی۔

جب اتنے عرصے بھی باوجود کوشش کے کوئی اس دل کو نہیں جیت سکا، تو پھر آئندہ چند مہینوں یا گئے سالوں پر کیا توقع رکھی جائے۔ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ساری عمر یہ معاملہ پیش نہ آئے۔ اس نے اپنے آپ کو ہرا دیا۔ ایک معمولی خواہش ہی تو تھی۔ مگر۔

مگر۔ نکاح ایک مضبوط بندھن ہے۔ زندگی میں بہت سارے تجربوں سے ایک تجربہ شاید یہی کامیاب ہو جائے۔ ہارتے ہارتے وہ ایک بار پھر نئی توانائیوں سے لبریز ہو کر اٹھی تھی۔

اور یوں وہ خاموشی سے مگر دھوم دھام سے بیاہ کر وہاج حسن کے گھر آگئی۔

لیکن یہاں آکر ساری بساط ہی بگڑ گئی تھی۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

حتیٰ کہ اس کی خواہش کو ناپید کر دینے کے بعد۔ سمجھوتے کا، مصلحت کا، زندگی کا عام سا رخ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ جینے کے لیے، وہ تو جیتے جی مر گئی تھی۔

اس تمنا میں ہو گئے رسوا
ہم بھی جی بھر کر عاشقی کرتے

شاید یہی ایک شعر اس کی پوری زندگی کا ترجمان تھا۔

وہ ابھی بستر میں پڑی اینٹھ رہی تھی کہ چھوٹی چچی نے آکر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اس کی آنکھ کھلی تو اپنے اردگرد اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ جویریہ اس کا سامان سمیٹ رہی تھی چچی کہہ رہی تھیں۔

''یہ لوگ تمہیں لینے کے لیے آئے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

وہ ابھی سمجھی بھی نہیں تھی کہ کہاں جانا ہے کہ پاپا آگئے۔ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا جیسے اسے پھر سے رخصت کرنے کے لیے اس پر دست دعا رکھ رہے ہوں۔ اس کی طبیعت کا پوچھا۔ پھر کہنے لگے۔

''بیٹا! ناشتا کرلو۔ ہارون تمہیں ان لوگوں کے ہمراہ چھوڑ آئے گا۔ تمہاری تائی جان نیچے بیٹھی ہوئی ہیں۔''

پاپا کو دیکھ کر اس کے تمام حوصلے پست ہوگئے۔ خاموشی سے اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔

جو کچھ کرنا ہوگا عقل مندی سے کرنا ہوگا۔ خاموشی سے اور احتیاط سے کفن تو تیار ہو، مگر عزت کا جنازہ نہ نکلے۔ دامن کے داغ کسی کو دکھائی نہ دیں۔

شام کو ولیمہ تھا اس لیے رابعہ اور مہتاب چچی اسے بیوٹی پارلر لے گئیں۔

اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ فی الوقت وہ دوسرے کمرے میں قیام کرے گی۔ پھر وہ تعلیم یافتہ تھی، اسے علم تھا کہ ایسی مشکوک صورت میں میاں بیوی کو فوراً علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے، جب تک واضح طور پر شوہر اقرار نہ کرے۔

ملاپ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر اسے واضح طور پر طلاق دی گئی تھی۔ وہ عدالت سے رجوع کرنے کی حق دار تھی۔ آج کے دور میں عورت اتنی پست اور بے بس نہیں تھی۔ حق خود ارادیت کے لیے سب کچھ کرسکتی تھی۔ وہ یہ ہٹ دھرمی اب مزید چلنے نہیں دے گی۔

ولیمے کا فنکشن ختم ہوا تو سمیعہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی۔ وہاج ابھی مہمانوں کو رخصت ہی کر رہے تھے، اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ تکیے اور لحاف کو سمیٹا اور دوسرے ملحقہ بیڈروم میں بستر لگا کر اندر سے دروازہ لاک کیا، اور اطمینان سے سوگئی۔ فی الوقت یہی ایک راہ تھی، باقی بعد میں سوچا جاسکتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ دونوں کمروں کے درمیان مشترکہ دروازہ تھا جو دونوں کمروں کو آپس میں ملاتا تھا۔ باہر والا دروازہ بند رہنے سے پتا نہیں لگتا تھا کہ اندر دونوں کمرے استعمال ہو رہے ہیں یا ایک۔ دن بھر مہمانوں کی آمدورفت، پھر رات کو تھک ہار کر سو جانا۔ اسے کچھ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ دو روز اسی کامیابی میں گزر گئے۔

اسے سکون کے ساتھ حیرت بھی ہو رہی تھی کہ وہاج حسن نے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ حالانکہ صبح ناشتے کے وقت سمیعہ جب دروازہ بجاتی تو وہ اٹھ کر اس کمرے میں جاتی، پھر دروازہ کھول کر ناشتا اندر لے لیتی۔ وہاج سو رہے ہوتے تھے، دروازہ بجنے کی آواز اور برتنوں کی آواز پر ہی اٹھتے تھے۔

ان کی خاموشی اسے بڑی پراسرار لگ رہی تھی، ایسا لگتا تھا۔ شکاری دم سادھے فی الوقت تاک لگائے بیٹھا ہے۔ جہاں وہ چوکی۔ وہیں شکار ہو جائے گی۔ نوشی گیلانی کی نظم ''کشف'' اس کی کیفیت کی غماز تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جانے شاعرہ نے کس احساس کے زیر اثر، کس حادثے کا وسوسہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن اسے یوں اپنی ہی ذات کا دھڑکا لگا رہتا۔ اور ہر وقت یونہی لگتا۔

مجھے احساس ہوتا ہے۔

جہاں میں آنکھ جھپکوں گی

وہیں پر حادثہ ہوگا۔

تیسری صبح سمیعہ نے ناشتے کے ساتھ اسے پیغام دیا کہ بھائی سے کوئی ملنے آیا ہے۔ انہیں جگا دیجئے۔ اس نے ناشتا میز پر رکھ کر دیکھا۔ وہ بے سدھ سو رہے تھے۔ اس طرح کہ لحاف آدھا ان پر تھا اور آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ بالکل چت پڑے تھے۔ شاید وہ زندگی میں پہلی بار بغور انہیں دیکھ رہی تھی۔ اور وہ بس دیکھتی ہی رہی۔ کئی لمحے یونہی خاموشی سے سرک گئے، کوئی بھی احساس نہیں تھا اس وقت دل میں، نہ نفرت کا انتقام کا۔

ہاں مگر ملال ضرور تھا، لٹ جانے کا، یا کھو دینے کا۔ کچھ علم نہیں۔

سن لیا ہم نے فیصلہ

اور سن کر اداس ہو بیٹھے

ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے

جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

کرب سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور پرسکون سو رہے تھے۔ کتنے سکون سے سو رہے ہیں وہاج حسن ایک لڑکی کی زندگی میں آگ لگا کے۔ کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا۔ یکا یک اس میں نفرت کی آگ دہک اٹھی۔ یہ شخص واجب القتل تھا۔ اگر اس کے پاس اس وقت کوئی ہتھیار ہوتا تو انہیں ہمیشہ کے لیے سلا دیتی۔ کاش وہ کچھ تو کر سکتی۔ اس نے بے چارگی سے ہاتھ مسلے۔ سمیعہ کچھ کہہ گئی تھی، اسے خیال آیا۔ فی الحال تو یہی کرنا تھا۔

"سنیے!" اس نے بے لچک انداز میں پکارا۔ وہ ایسے ہی پڑے تھے۔ وہ جھنجھلا گئی۔

ہر روز تو دروازہ بجنے پر ہی اٹھ جاتے تھے، آج کیا نشہ کر کے سو رہے ہیں۔ اس نے زہر بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے طبیعت خراب ہو۔ مگر میں کیا کروں لحاف ڈال دوں۔ کیوں۔ کیا لگتے ہیں میرے؟"

اس نے نفرت سے ان کی طرف دیکھا اور باتھ روم میں چلی گئی۔ البتہ دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ وہ تو وہ ان کے فرشتے بھی جاگ گئے۔

طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ان کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ انہوں نے گھور کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر ریسٹ واچ اٹھائی۔

"مائی گاڈ۔ سفیر نے آنا تھا" انہیں یکا یک خیال آیا۔ جلدی سے اٹھے۔ قمیص پہنی۔ بالوں میں برش کیا۔ اس وقت وہ وارڈ روب میں گھسے کاغذوں کی کانٹ چھانٹ کر رہے تھے کہ وہ باتھ روم سے برآمد ہوئی۔ انہیں جاگا دیکھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں جانے لگی۔ تو وہ فوراً پلٹ کر

بولے۔

''سنو ماہم جاہ!'' اس کے قدم رک گئے۔

''رکھوالی اس چیز کی کی جاتی ہے، جس میں کچھ ہوتا یا اس گھر میں اچھا لگتا ہے۔ جو مال و اسباب سے بھرا ہو۔ خالی مکانوں کے کھلے ہوئے دروازے سے راہگیروں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ گھر ہر ایک کے لئے گزرگاہ تو ہو سکتے ہیں ڈاکے کا سبب نہیں۔''

کتنی حقارت سے انہوں نے کہا تھا۔ جیسے کھلے عام اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو فوراً امڈ آئے۔ تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

''وہاج حسن! ایک عورت کی بے بسی پر دلیر ہو رہے ہو۔ کھیل رہے ہو اس کی زندگی سے، یہ بہادری نہیں ہے۔'' اس نے گہری چوٹ کی، لہجہ بھیگ رہا تھا، وہ کھل کر ہنسے۔

''بہادری تو واقعی تمہاری ہے۔ پھر سے آ گئیں۔ جانتے بوجھتے ہوئے۔'' انداز بے حد ہتک آمیز تھا، وہ کٹ کر رہ گئی۔ ''اللہ کرے آپ کی بہنوں کے آگے آئے۔ جیسا آپ نے میرے ساتھ کیا ہے۔''

اس نے ہتھیلیوں سے آنسو رگڑتے ہوئے با آواز بلند بددعا دی۔

''بڑا روایتی انداز ہے بددعا کا۔ لگتا ہے اس فیلڈ میں بھی بہت پرانی ہو'' انہوں نے مسکرا کر اطمینان سے کہا۔ تو وہ انگاروں پر لوٹتی بے چارگی سے اپنے کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

گھر شادی کے ہنگاموں کی وجہ سے کافی حد تک بے ترتیبی کا شکار تھا۔ وہ سمیعہ اور جویریہ کے ساتھ کام کاج میں لگ گئی، اس کا ارادہ تھا کہ سمیعہ جویریہ صفائی کر لیں گی ملازمین کے ساتھ مل کر تو وہ کھانا بنا لے گی مگر گھر کے کسی فرد نے بھی اسے کچن میں جانے نہیں دیا۔ یقیناً اس وجہ سے کہ کچن میں سو طرح کی خطرناک اشیاء ہوتی ہیں۔ کہیں وہ کسی چیز سے خود کو نقصان نہ پہنچا لے۔

اسے یہ بات محسوس کر کے دلی دکھ ہوا۔ سو اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا، اور دوسرے کاموں میں لگ گئی۔ اپنے ہی بوئے ہوئے بیج جو تھے۔

سمیعہ کچن میں چلی گئی۔ اس کے پاس تھا بھی کیا کرنے کے لیے۔ سوائے سوچوں کے لامتناہی جال کے۔ کام کاج میں لگ کر اس کا ذہن کافی حد تک بٹ گیا۔ سب کے روکنے ٹوکنے کے باوجود وہ باز نہیں آئی اور بدستور کام میں لگی رہی۔

''بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں لگتا تھا کہ یہ لڑکی پاگل ہے۔ میرے خدا اگر تو اسے ایسا ہی رکھے تو اسے دیکھ دیکھ کر نظریں اتارتی رہوں۔''

کپڑے ڈال کر جب وہ نیچے آئی۔ تو شام ہو چکی تھی۔ تائی جان نے کہا۔ ''اب جا کر حلیہ تبدیل کرو کوئی ملنے والا بھی آ سکتا ہے، اور پھر چار دن کی دلہن ہو، نہ کام کرنا زیب دیتا ہے اور نہ یہ حلیہ۔'' انہوں نے اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر پیار سے کہا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا دل رکھنے کے لیے تائی جان صبح سے خاموش تھیں، وگرنہ دوسری صورت حال میں اسے بری طرح جھڑک دیتیں۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اور اٹھ کر پانی بھی نہ پینے دیتیں۔ وہ بس مسکرا دی۔ اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ آئی تو اسی غرض سے تھی کہ حلیہ ٹھیک کرے گی، لیکن دونوں کمرے توجہ کے طالب نظر آئے، کشن بدلے۔ پردے جھاڑے، بیڈ شیٹس تبدیل کیں، جھاڑ پونچھ میں دوپٹے کا استعمال اچھی طرح سے جاری رہا۔

دونوں کمرے اچھی طرح سے چمک گئے۔ کچھ سیٹنگ کو اپنے مزاج کے مطابق کر دیا تھا۔ باتھ روم دھو کر نکلی تو اس کی نگاہ پھولوں پر پڑی۔ روم اسپرے کرنے کے بعد وہ پھول لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی، اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ وہ بری طرح تھک گئی۔ پھولوں کو گلدانوں میں ترتیب سے سجانے لگی۔ کام کر کے اسے روحانی مسرت محسوس ہو رہی تھی۔ سب کچھ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔ وہ بالکل مگن بیٹھی تھی، کہ وہاج حسن کمرے میں داخل ہوئے سامنے ہی پہلی نگاہ اس پر پڑی۔

اسے دیکھ کر وہ چکرا ہی تو گئے۔ کپڑے میلے چیکٹ دوپٹے پر جا بجا گندگی کے دھبے۔ بالوں میں دھول مٹی اٹی تھی، جیسے گھر کی صفائی اس نے ہی کی ہو۔

"یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" انہوں نے تلخی اور ناگواری سے پوچھا۔ یک بیک اس کے ہاتھ رک گئے۔ تیکھے چتون سے انہیں دیکھا۔ صبح والی بات وہ بھول گئی تھی۔ یک بیک یاد آ گئی۔ بے خوف و خطر لہجے میں بولی۔

"آپ کو مطلب؟" اس کی ڈھٹائی و لاپروائی پر وہ گنگ رہ گئے۔ بھلا دو دن میں ہی اس نے خود کو کیا سمجھ لیا ہے۔

"مجھے مطلب نہیں تو پھر کسے مطلب ہوگا۔" ان کے انداز پر وہ سلگ گئی۔ رکھائی سے بولی۔

حسن جاہ! میں آپ کی بیوی نہیں ہوں، جو تیار ہو کر آپ کے انتظار میں بیٹھوں۔" انداز میں بدلے کی آنچ تھی۔

"خوب۔ بہت خوب۔" انہوں نے خوش ہو کر ہلکی سی داد دینے والی تالی بجائی۔ ایک ایک قدم اٹھاتے اس کی طرف بڑھے۔ "تو گویا جلد تسلیم کر لیا آپ نے، وری گڈ۔"

"تو بات سنو ماہم جاہ! بیویاں تو اس روپ میں بھی بہت اپیل کرتی ہیں۔ بے حد معصوم اور حسین لگتی ہیں۔ تیاری اور تکلفات کی ضرورت تم جیسیوں کے لیے ہوتی ہے۔ جو اپنی اداؤں سے ہمارا استقبال کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔"

"میں کہتی ہوں یہ ناپاک لفظ اگر میرے لیے آئندہ استعمال کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ پھنکاری۔

"کیوں، سچ بہت کڑوا لگا۔"

"وہاج حسن" اس نے گلدان پھینک مارا۔

امید تھی سر پر لگے گا۔ وہ پھرتی سے نیچے ہوئے گلدان سامنے کی کھڑکی پر لگا نتیجتاً شیشہ چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

آواز پر تمام گھر والے سراسیمہ ہو گئے۔

"میں بھی چاہتا ہوں کہ تمہارے پاگل پن کے مظاہرے چلتے ہی رہیں۔ تاکہ مجھ پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔"

وہ خباثت سے مسکرائے۔ تو وہ بے بس ہو گئی وہ ایسا چاہتی نہیں تھی، مگر ہو جاتا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

وہ خود کو نارمل ثابت کرنا چاہتی تھی، وہ اسے پاگل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس نے بے چارگی سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ جو اس کے پاگل پن کا عملی ثبوت پیش کر رہا تھا۔

''فوراً اپنا حلیہ تبدیل کر کے آؤ'' انہوں نے بڑے تحکم سے کہتے ہوئے کوٹ اتار کر بیڈ پر ڈالا۔ ان کے حکم پر وہ جل بجھ کر راکھ ہو گئی۔ جیسے اس کی کوئی عزت ہی نہیں۔ وہ بڑے بڑوں کو گھاس نہیں ڈالتی تھی اور انہوں نے اسے اتنا ذلیل کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے کڑوی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں خود کو۔ جب چاہیں گے استعمال کر لیں گے۔ میں اتنی معمولی نہیں ہوں۔''

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جانے لگی۔ تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''باتھ روم ادھر ہے۔'' سختی سے ادھر دھکیلا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ اکڑ کر بولی۔

اسے اپنا میلا ہونا بڑا غنیمت نظر آ رہا تھا، اس کمرے کے لاک کی طرح جسے وہ تالا لگا کر سوتی تھی۔

اسے تو آج ہی معلوم ہوا تھا کہ گندگی ان کی نفیس طبیعت پر کتنی گراں گزرتی ہے۔

''تو پھر؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''میں تھکی ہوئی ہوں، اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

''چچ چچ۔ پھر بیویوں والے عذر۔ گھر میں ملازمین کی کمی نہیں تھی آپ نے ناحق تکلیف کی ان حرکتوں سے آپ بیوی تو نہیں بن جائیں گی ماہم!''

اتنی بے وقعتی، اتنی تذلیل، اس نے کھا جانے والی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

پھر ڈٹ کر بولی۔ ''نہیں بدلتی میں اپنا حلیہ آپ کو کیا تکلیف ہے۔''

''ٹھیک ہے، یوں تو یونہی سہی۔ مجھے تو یوں بھی اچھی لگ رہی ہیں۔''

ان لفظوں پر جیسے وہ بپھر گئی۔

''کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے خود کو کہ زندگی اس طرح گزرے گی۔ میں خاموش رہوں گی۔ یہ بھول ہے۔ میں پاگل ہوں ناں۔ سب کچھ کر سکتی ہوں۔ خود کو بھی ختم کر لوں گی، اور آپ کو بھی۔

کوئی حساب لینے والا نہیں ہوگا۔'' اس نے پوری قوت سے ان کے بازوؤں میں دانت گاڑ دیے۔ وہ بلبلا کر رہ گئے۔ جیسے ہی گرفت ڈھیلی پڑی۔ وہ پھرتی سے بھاگی۔ لیکن قدموں میں میز آ جانے کی وجہ سے وہ لڑکھڑا گئی۔ اتنے میں وہ سنبھل چکے تھے۔

لیکن اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کھڑکی کا نوکیلا شیشہ اٹھا لیا۔ کوئی بھی نوکیلا شیشہ اسے اس زندگی سے آزاد کر سکتا تھا۔

شیشہ اتنا تیز اور باریک تھا کہ اس کی ہتھیلی میں کسی جانب سے گھس کر زخمی کر گیا۔ ابھی تو اس نے ہاتھ میں ہی اٹھایا تھا۔ ارادہ کلائی کاٹنے کا تھا یا پیٹ میں گھسانے کا، لیکن انہوں نے لپک کر دونوں ہاتھ سختی سے پکڑ لیے۔

ان کے ہاتھوں کی سختی یا خوف، یا دن بھر کی تکاوٹ، کچھ تو تھا جو اسے اپنی نبضیں بند ہوتی محسوس ہوئیں۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر ان کے بازوؤں میں آ گئی۔

اس کو ہوش آیا تو گھر کا گھر اس کے کمرے میں موجود تھا، سوائے اس درندے کے، دوا کے ساتھ ڈاکٹر اس کے زخم کی پٹی کر کے جا چکا تھا۔ فراج امی کو یقین دلا رہا تھا کہ معمولی زخم ہے، جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں بلقیس اس کے سرہانے بیٹھی تھیں بہت فکر مند اور اضمحلال کا شکار نظر آ رہی تھیں، ان کے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ پھر بھی انہوں نے پاگل لڑکی کو ہی کیوں گلے کا ہار بنا لیا تھا۔ اور وہ اس سے بہت محبت کرتی تھیں، لیکن اس محبت پر اپنے بیٹے کو قربان کیوں کیا۔

انہیں پچھتاوا ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔ تو اس پر نگاہ پڑی وہ بے آواز رو رہی تھی۔ ''آخر میں مر کیوں نہیں گئی۔'' انہوں نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے آنسو گالوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔

سارے پچھتاوے اور قربانیاں بھول کر بلقیس نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ روتی رہی۔

''تائی جان! میں پاگل نہیں ہوں۔'' اس نے سسک کر بیان دیا۔ اتنی بے چارگی سے وہ یقین دلا رہی تھی کہ کچھ حد نہیں۔

''بالکل میں بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ پاگل ہرگز نہیں ہیں۔'' فراج نے اپنائیت سے ڈپٹ کر کہا۔ پھر اسی انداز میں پوچھا۔

''مگر وہاج بھائی بتا رہے تھے کہ شیشہ ٹوٹنے کی آواز پر جب وہ باتھ روم سے نکلے تو آپ شیشہ کھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ آخر کیوں؟''

''وہاج حسن کے اس خود ساختہ بیان پر وہ گنگ رہ گئی۔

''امی۔ امی۔ یہ بھائی کی شرٹ پر سے خون کے نشانات ہٹ نہیں رہے کیا کروں۔'' اتنا رگڑا ہے میں نے۔'' جویریہ کمرے میں داخل ہوئی تو بات ادھوری رہ گئی۔

اس نے دیکھا شرٹ کا دامن سرخ ہو رہا تھا۔ اتنا خون بہہ گیا تھا اس کا۔ مگر کیا فائدہ ہوا۔

''تم سے آج تک کچھ ہوا ہے جو آج یہ کام ہو گا۔'' فراج کی توجہ جویریہ پر چلی گئی۔

''تذلیل کے داغ بنا حساب کے صاف نہیں ہوتے۔'' اس کا رواں رواں چلایا مگر بے آواز بولنا اب کب آسان رہا تھا۔

خوف کی شب میں ہونٹ سینے سے
مرنا بہتر ہے ایسے جینے سے!
یوں تماشا تو اس کو ہونا تھا

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جو گری آرزو کے زینے سے

یہی زندگی ہے اس کی۔

اتنی بے بس و مجبور زندگی۔ وہ یہ سب کچھ کب تک سہے گی، اور کیوں، کب وہ اس گناہ کی دلدل سے نکلے گی۔ کوئی تو کل ہوگی اس بات کی، کوئی تو راہ ہوگی۔

کاش، کاش میں نے اپنے کھیل میں کسی کو شامل کرلیا ہوتا۔ قمر کو ہی۔ کم از کم۔ آج وہ شہادت تو دے دیتی کہ میں پاگل نہیں ہوں۔

ہارون کو ہی بتا دیتی۔ وہ خفا ہوتا مگر ساتھ تو دیتا۔ اب بتا کر کیا ملے گا۔ سوائے ندامت کے، ندامت کے آنسو صاف ہو جائیں گے۔ گناہ کے داغ کس طرح چھلیں گے۔ سوائے موت کے کوئی بھی راستہ نہیں۔

''اب آپ کے ہاتھ کا زخم کیسا ہے۔'' فراج نے اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

''اچھا ہے'' وہ مختصراً بولی۔

''اچھا ہے۔ واقعی وہاج بھائی بہت اچھا ہے، بلکہ بہت اچھے ہیں۔'' جویریہ نے ایک لفظ اچک کر فوراً جملہ بنا ڈالا۔

''خاک اچھے ہیں، جس دن چوٹ لگی، اسی دن تو کشمیر چلے گئے تھے۔''

فراج نے جل کر کہا۔

''اصل وجہ تو یہ ہے کہ تمہیں جو ساتھ لے گئے تھے۔'' سمیعہ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''میرا کیا ہے۔ میں تو ہفتے میں ہی آگیا واپس، انہیں دیکھو ذرا خیال نہیں یہاں کوئی اداس، ملول ان کے انتظار میں بیٹھا ہوگا۔ بلکہ بیٹھی ہوگی۔'' فراج شرارت سے بولی۔

''ذرا بھی تو خیال نہیں۔'' جویریہ نے زور دے کر کہا۔

''وہ میرے لگتے ہی کیا ہیں۔'' اس نے اکتا کر کہا اور بے زاری سے رخ موڑ لیا۔ تینوں بہن بھائی ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے۔

''اب ایسا بھی نہ کہیے۔ روزانہ تو آپ کی خیریت دریافت کرتے ہیں فون پر۔''

''فراج یک بیک بھائی کی طرف ہو گیا۔

''اسلیے یہ الزام تو مانا نہیں جائے گا کہ انہیں آپکا خیال نہیں۔ البتہ ناراضگی پہنچا دی جائے گی۔'' وہ ہنسا تو ماہم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

بڑے سبھاؤ سے آتا ہے قتل کرنا تمہیں

دستار بلند رکھتے ہو، دامن تر رکھتے ہو

نرم نگاہوں سے رکھتے ہو نشانے پہ نظر

خنجر چھپانے کا ہنر رکھتے ہو

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

کاش۔ کاش وہاج حسن! آپ میرے شوہر نہ بنتے۔ کم از کم لوگ میری بات کا یقین تو کر لیتے، کہ ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کیسی قید میں ڈالا ہے آپ نے مجھے۔ آپ کی ذات کی فصیلیں اتنی بلند ہیں، سر اٹھاتی ہوں تو چکرا کر گر جاتی ہوں۔ چیختی ہوں تو لوگوں تک آواز نہیں جاتی۔ سب اس بلندی کو سلام کرتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں جانتا کہ اس کے حصار میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ کس طرح دکھاؤں لوگوں کو آپ کا باطن، کس طرح، نہ کوئی روزن ہے نہ کوئی دروازہ، نہ کوئی جھروکا۔ کیسے نکلوں، کہ صرف میرا ہی نقصان ہو اور کسی کا نہیں۔ ذلت کی زندگی کے بعد عزت کی موت نصیب ہو۔ کسی پہ کچھ بھی آشکارنہ ہو کیسے ممکن ہے۔

وہ سب لوگ امی کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کہ وہاج حسن کمرے میں داخل ہوئے۔

سلام کیا، پھر حسب عادت سر جھکا کر امی سے سر پر ہاتھ پھروایا۔

''جیتے رہو۔ فراج کو کیوں بھیج دیا تھا، تمہارے بابا اتنے پریشان ہو رہے تھے۔'' امی نے انہیں اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''بس ضرورت ہی نہیں تھی۔'' انہوں نے جھک کر جوتے اتارتے ہوئے سادگی سے کہا۔

فراج کی جان میں جان آ گئی۔ ''مجھے پتا ہے، یہ خود ہی آیا تھا۔ تیری تو عادت ہی ایسی ہے کبھی جو اس کی غلطی پر تختی کی۔ یا شکایت کی ہو۔'' امی نے پیار سے جھڑکا۔ وہ بس مسکرا دیے۔

''جویریا بیٹا! ایک کپ چائے کی شدید ضرورت ہے۔ اگر مل جائے تو۔''

''ابھی لائی بھائی۔'' جویریہ جھٹ اٹھ گئی۔

''میں تیرے لیے کھانا گرم کرتی ہوں، تو اتنے میں ہاتھ دھو لے۔'' امی بھی اٹھ کر چلی گئیں۔

''سمیعہ۔! اپنی بھابھی کے ساتھ مل کر پیکنگ کرا دینا۔ کل صبح کی فلائیٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔ پھر اسلام آباد سے مری، سوات وغیرہ۔''

''ونڈر فل۔ تو گویا ہنی مون کے ٹکٹ ساتھ آئے ہیں۔'' فراج شرارت سے بولا۔

''یس۔'' وہ مسکرا کر جیکٹ کی جیب سے کچھ نکالنے لگے۔

وہ ایک دم چونکی۔ جیسے اسے کرنٹ سا لگا ہو۔ اسے لگا جیسے وہ تھانے سے سینٹرل جیل میں لے جائی جا رہی ہو۔

''بھائی صبح۔؟'' سمیعہ اچنبھے سے بولی۔ '' آٹھ بج رہے ہیں، کس طرح پیکنگ ہو گی۔''

''میرا خیال ہے دو گھنٹے میں پیکنگ ہو سکتی ہے اگر کوشش کرو تو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ اور کاغذوں میں سے مطلوبہ چیز کی تلاش جاری رکھی۔

''اور اگر دو بندے مل کر کریں، تو ایک گھنٹے میں بھی ہو سکتی ہے۔'' فراج نے لقمہ دیا۔

اشارہ ماہم کی طرف تھا۔ ''بالکل'' وہ خوش دلی سے بولے۔ ان کا موڈ بہت خوشگوار معلوم ہو رہا تھا۔

''چلیں جی۔کام شروع کر دیں۔''

سمیعہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں نہیں جارہی، کہیں۔'' وہ کٹھور، سپاٹ لہجے میں بولی۔سب چپ ہو گئے۔

وہاج اسی انداز میں کسی کارڈ پر کچھ لکھ رہے تھے۔

بھلا ایک نارمل لڑکی اس طرح کہہ سکتی تھی، پھر شوہر اتنے عرصے بعد دیارِ غیر سے آیا تھا، نہ اس کی غیر موجودگی میں اس کا تذکرہ کیا تھا، نہ ہی ان کی آمد پر کسی بھی خوشی یا کسی بھی احساس کا تاثر تھا۔ جیسے وہ ماحول یا لوگوں سے بیگانہ ہو۔

''کہیں نہیں بھیج رہے، ہم تمہیں۔بس ہنی مون پر بھیج رہے ہیں۔'' سمیعہ نے مسکرا کر ماحول کی تلخی ختم کی۔

بڑی انوکھی بات ہے، وہ سلگ کر رہ گئی۔ کیا وہ نہیں سمجھ سکتی یہ بات۔

''جا چکی ہوں میں کئی دفعہ۔'' اس کا مطلب تھا مری سوات، شمالی علاقہ جات، سب اس کے دیکھے ہوئے تھے۔

لیکن اس کی بات پر فراج کو ہنسی آ گئی۔

حالانکہ وہ لوگ کوشش کرتے تھے، کہ اس کی کسی بھی بات پہ نہ ہنسیں، نہ برا منائیں۔مگر فراج اپنی فطرت کے آگے لاچار تھا۔

ہنی مون پر آپ کئی دفعہ جا چکی ہیں؟ سمیعہ نے فراج کو گھورا۔مگر وہ ہنس رہا تھا۔

وہاج کمرے سے نکل گئے۔ایسا مصروف انداز تھا جیسے وہ ان کی باتیں سن ہی نہ رہے ہوں، فراج کی ہنسی پر وہ اشتعال سے چلائی۔

''کیا تم لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہو؟''

''سب میرا مذاق اڑاتے ہیں۔سب مجھ پر ہنستے ہیں۔'' کہتے کہتے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔کتنی تلخ ہو گئی تھی وہ۔حالانکہ یہ اسکی فطرت تو نہیں تھی۔اسے بعض اوقات تو خود محسوس ہونے لگتا کہ وہ پاگل نہیں تو نفسیاتی مریضہ ضرور بن جائے گی۔اگر یہی حالات بدستور رہے تو۔

تائی جان نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''کیا ہوا ہے سمیعہ؟'' انہوں نے سمیعہ سے پوچھا۔سمیعہ نے ساری بات بتا دی۔انہوں نے بیٹے کو گھور کر دیکھا۔اور خوب صلواتیں سنائیں۔پھر اسے چمکارتے ہوئے بولیں۔

''کیوں انکار کر رہی ہو تم۔تمہیں جانا چاہیے۔تمہاری صحت کے لیے بھی اچھا ہے، پھر یہی تو دن ہوتے ہیں، سیر و تفریح کے۔اور وہ تو خود ایسا ہی بدھو ہے، اسے کب ہوش رہتا ہے ان باتوں کا۔سوائے کاروبار کے۔اسے آتا ہی کیا ہے۔یہ تو فون پر تمہارے بڑے بابا نے ہی کہا تھا کہ وہ آتے ہی تمہیں گھمانے پھرانے لے جائیں۔صد شکر کہ اس نے سن لیا۔اور اگر تمہارا وہاں جانے کا دل نہیں چاہ رہا، تو پھر کہیں اور چلے جاؤ۔''

امی اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔اس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد فراج امی کے قریب کھسک آیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''یقین کریں امی! اگر میں ہوتا ناں بھائی کی جگہ تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا۔ یا وحشت کتنے سکون سے وہ اس لڑکی کو برداشت کر رہے ہیں۔ اور وہ بھی صرف آپ لوگوں کی وجہ سے۔''

فراج کو یکایک بھائی سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔

''بکو نہیں۔ ماہم میری ہی بیٹی ہے۔ کوئی غیر نہیں دیکھنا ایک روز بالکل ٹھیک ہو جائے گی اور خدانخواستہ وہ بالکل پاگل تو نہیں ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ بالکل پاگل نہیں ہیں۔ لیکن ایک روز ہم سب پاگل ہو جائیں گے۔'' فراج نے خوف سے آنکھیں پھیلائیں۔ ''ویسے بھائی کے صبر کی داد دیتا ہوں۔''

''سچ امی! کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے جب بھائی اور بھابی کمرے میں ہوں تو کیمرہ لگا کر اسکرین پہ انہیں دیکھوں۔ خدا کی قسم سمجھ میں نہیں آتا بھائی ہیں کیا۔ کس طرح بھابی سے بات کرتے ہوں گے۔ باہر بھی ان ڈائریکٹ گفتگو کرتے ہیں۔ کبھی بھی ڈائریکٹ نہیں بولتے۔ مجھے تو بڑا تجسس ہوتا ہے ان کی زندگی کے بارے میں، سوچتا تھا جب ان کی شادی ہوگی تو بھابی سے بھائی کے متعلق پوچھا کروں گا۔ کہ رومانس کرتے ہوئے بھائی کیسے لگتے ہیں۔ مگر بھابی ہی ایسی آئی ہے کہ۔ بس۔''

''بے شرم تجھے شرم نہیں آتی۔ ایسی باتیں سوچتے اور کرتے ہوئے۔'' امی نے جھینپ کر اسے دھموکا جڑا۔

''کوئی بات نہیں امی۔ لگوا دیجیے کیمرہ کل ان صاحب کی بھی تو شادی ہوگی۔ ہم بھی پورے محلے کے ہمراہ انہیں اسکرین پر دیکھا کریں گے۔''

وہاج کے اچانک آن ٹپکنے پر، فراج اچھل کر رہ گیا اور گدی کھجاتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر کر چلا گیا۔

''سمیعہ! تم جاؤ، میں پیکنگ خود کرلوں گی۔'' اس نے سمیعہ کو پیار سے منع کیا۔

اچانک ہی کتنا بدل جاتی تھی وہ۔ سمیعہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر مسکرا کے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر میں وہاج حسن کمرے میں آئے تو وہ اضطراری کیفیت میں ٹہل رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کہنے لگی۔

''آپ جو کر رہے ہیں، ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔''

''تو پھر آپ ہی بتا دیجیے کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط ہے؟'' دوسری طرف اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''دیکھیے وہاج! آپ کو معلوم ہے اور صرف آپ ہی جانتے ہیں کہ میں پاگل نہیں ہوں۔'' وہ مصالحت پر اتر آئی۔

''میرے جاننے سے کیا ہوتا ہے۔ ہر شخص ڈاکٹر کے اس سرٹیفکیٹ پر ایمان لایا ہوا ہے جس میں تم پاگل ہو۔ سو، میں بھی انہی لوگوں میں شامل ہوں۔''

''دیکھو۔ میں کہہ دیتی ہوں۔ میں ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔ کان کھول کر سن لو۔'' وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

''اس لیے کہ آپ اس سے پہلے دس بار ہنی مون منا کر آچکی ہیں۔'' وہ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے بولے۔

''مگر میرا تو پہلا ہنی مون ہے اس لیے، آپ کو مجبوراً میرا ساتھ دینا ہوگا۔'' مسکرا کر کہا گیا۔

''دیکھو۔ میں کہہ رہی ہوں۔ اس قسم کی گفتگو کر کے مجھے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ نہ تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔ اور نہ میرے سمجھے تم۔''

''تم تو اس طرح مشتعل ہو رہی ہو۔ جیسے۔''

جن نگاہوں سے انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ وہ خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

ہاں کچھ بھی نہیں تھا اس کے پاس بچانے کے لیے۔

انہوں نے ایک دم سے اس کی اوقات یاد دلا دی تھی۔

پھر فوراً ہی ڈریسنگ روم میں لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

وہ سن سی کھڑی رہی۔

انہوں نے کہا تھا وہ چاہے بھی تو ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی اور وہی کر رہے تھے اسے چاروں طرف سے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

صرف موت ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہے ہاں۔ صرف موت۔ ہو سکتا ہے باہر جانے سے موت کا راستہ آسان ہو جائے ہاں یقیناً بہت سے مواقع مل سکتے ہیں۔

کسی گاڑی کے نیچے آ کر کسی کھائی میں چھلانگ لگا کر ہوٹل کی چھت سے کود کر۔ کچھ خرید کر، کچھ کھا کر۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ کب تک اپنی پامالی کا ماتم کروں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ زہر کا ایک قطرہ کھاؤ یا پوری شیشی موت تو دونوں ہی صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے۔ اب زہر سے نہیں ڈرنا بلکہ زندگی کا آخری فیصلہ کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

وہاج حسن ڈرائنگ روم سے نکلے تو اسے انہماک سے پیکنگ کرتے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

''اب تو مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم یقیناً پاگل ہو۔''

وہ اس کے پیچھے آ کر سرگوشی میں بولے تو وہ اچھل پڑی۔ دل پورے وجود میں دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ بالکل اس کے پیچھے ہی کھڑے تھے۔

''سچ سچ بتاؤ۔ تم پاگل ہو یا ٹھیک ہو؟''

''ان کی آواز میں سرمستی اور انداز بہکنے کے لیے تیار تھے اس کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔

رخساروں کی تپش فضا کو جھلسانے لگی تھی۔

سانسیں بے ہنگم ہونے لگی تھیں۔ اس سے قبل ایسا خوف ایسی وحشت، ایسی ہچکچاہٹ کسی سے محسوس ہی نہ کی تھی۔ وہ ان چیزوں کی خواہش مند تھی وہ اس کیفیت کو محبت کہتی تھی۔ مگر آج یوں لگ رہا تھا وہاج حسن دو لمحے بھی اس کے پاس کھڑے رہے تو وہ پانی کی طرح بہہ جائے گی۔ یہ محبت نہیں تھی۔ کمزوری تھی۔ آج سے قبل وہ کب اتنی پسپا ہوئی تھی۔ وہ تو محفوظ تھی اپنی انا کے حصار میں۔

اس نے خاموشی سے اپنا کام جاری رکھا۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش وہاج حسن کو واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

''تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟'' انہوں نے اس کے شانے پر اپنی تھوڑی ٹکاتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

اس نے بمشکل تمام تھوک نگلا ان کے سامنے وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے بے حد کمزور محسوس کر رہی تھی۔ سانس کھینچ کر آہستگی سے بولی۔

''آپ سو جائیے۔ مجھے کام کرنے دیجیے۔'' اس نے بغیر سوچے سمجھے کہا تھا۔

''آں۔ ہاں۔ بیویوں والے جملے نہیں چلیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ وہ تڑپ کر ان کے حصار سے نکلی۔

''کتنی بیویاں رکھی ہیں آپ نے بیویاں کیا کرتی ہیں اور کیا نہیں۔ معلوم ہے آپ کو؟''

وہ ڈٹ کر ان کے سامنے کھڑی تھی۔ مگر آواز بے حد پست آنکھیں اشکبار تھیں۔

''ہاں مجھے معلوم ہے میں آپ کی بیوی نہیں ہوں گالی ہوں۔ یہ گالی۔ مجھے ایک بار ہی سرعام دے کر معاف کر دیجیے۔ معاف کر دیجیے مجھے۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی ہم نے زندگی کس طرح گزاری تھی۔ آپ کی عزت کا علم نہیں گرے گا نہیں گرنے دوں گی میں مگر مجھے بار بار اپنی نظروں سے نہ گرائیے۔ خود اپنی ہی نظروں سے۔'' اس نے رو کر التجا کی۔

وہ اسے دیکھتے رہے پھر بولے۔ ''سنو ماہم جاہ جب کوئی مرد درندہ بن رہا ہوتا ہے ناں۔ تو روتی فریاد کرتی عورتیں اسے بہت اپیل کرتی ہیں۔ اس لیے اپنی اداؤں پہ کنٹرول رکھا کرو۔''

وہ کہہ کر اتنی تیزی سے مڑے کہ اس کے حواس تک جھنجھنا اٹھے تھے۔ کچھ سمجھ آیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ٹی وی آن کر کے لیٹ گئے۔

وہ حواس باختہ سی کام میں مصروف ہو گئی۔ جب وہ مکمل طور پر کام سے فارغ ہوئی تو رات کے دو بج رہے تھے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

وہاج سو چکے تھے۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ ریموٹ کنٹرول ان کے سینے پہ رکھا تھا۔ ساری لائٹیں آن تھیں۔ وہ ریموٹ کنٹرول اٹھانے کے لیے جھکی۔ پھر ہاتھ رک گئے۔ اک انجانی سی کشش کے تحت وہ انہیں دیکھتی رہی۔

یہ راکھ راکھ رتیں اپنی رات کی قسمت

تم اپنی نیند بچھاؤ، تم اپنے خواب چنو

بکھرتی ڈوبتی نبضوں پہ دھیان کیا دینا

تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حروف سنو

اس کی نگاہیں ہیں ان پر سے پلٹنا بھول گئیں اور یہی ایک لمحہ اس کی تمام زندگی کا حاصل ٹھہر گیا۔ وہ جو جواب جاگتے مردوں سے لینا چاہتی تھی۔ جس جواب میں وہ رسوا ہو کر رہ گئی تھی۔ اس مقام تک آن پہنچی تھی۔

ایک سویا ہوا مرد خاموشی سے دے رہا تھا۔ اسے خود بھی اپنی اس کیفیت پر اختیار نہیں تھا۔ وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے دل کا گلا دبا دوں گی

میرے خلاف یہی سازشوں میں رہتا ہے

اس نے بری طرح اپنے آپ کو روکیا۔ ملامت کیا۔ لیکن تقدیر کے قرطاس پر محبت کا وجدان اسی لمحے اسی شخص سے لکھا تھا۔

ایک عجیب نا قابل فہم کشش کے تحت اس کا دل ان کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

کیا یہ تھا وہ شخص جس کی اسے تلاش تھی۔

نہیں۔ یہ محبت نہیں تھی۔ سمجھوتا تھا۔ سودا تھا۔ بے بسی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا۔ اور کئی بار۔ مگر دل۔ دل گواہی دے رہا تھا۔

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کر ٹوٹے ہیں

تو اس پر بھی سلامت ہے، دل خوش فہم کیا کہنا!

اس نے...... آنکھوں سے اشک صاف کیے اور تھکے ماندے سے انداز میں اپنے کمرے میں آ گئی۔

عشق میں بکھرنے تک

حوصلہ نہ ہاری میں

مگر اب تمام حوصلے پست ہو چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

صبح بڑی چمکیلی اور نکھری نکھری تھی۔ لیکن وہ سر سے لے کر پاؤں تک بجھی بجھی لگ رہی تھی۔ حقیقی معنوں میں تو وہ اب لٹی تھی۔ دل روح سب کچھ ویران اور خالی تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

گھر والوں سے مل کر وہ رخصت ہوئے فراج سمیعہ اور جویریہ انہیں ائیر پورٹ تک چھوڑنے آئے تھے۔ فلائٹ وقت پر پرواز کر گئی۔

سارے راستے وہ بالکل خاموش تھی۔ بالکل ایسی ہی خاموشی ایسا ہی سناٹا جیسے تختہ دار پر چڑھتے وقت کسی بھی شخص کی روح میں حلول کر جاتا ہے پھر کوئی بھی خواہش، کوئی بھی احساس زندگی کے زیر اثر نہیں ہوتا۔

جہاز لینڈ کرنے والا تھا۔ تمام مسافر اپنی بیلٹ باندھ چکے تھے اور وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔

''ایکسکیوز می۔ آپ اپنی بیلٹ باندھ لیجیے۔'' ائیر پورٹس کے کہنے پر اس نے نہیں سنا۔ وہاج کی آنکھوں کے آگے میگزین لگا تھا، انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہ زمین پر کسی نادیدہ نقطے کو مسلسل گھورتی معلوم ہو رہی تھی۔

''ماہم۔'' انہوں نے قریب ہو کر پکارا۔ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ جیسے اچانک پکارے جانے پر ڈر گئی ہو آنکھیں سرخ تھیں۔ پلکوں پہ آنسوؤں کی نمی تھی۔

''بیلٹ باندھ لیجیے۔'' انہوں نے اسی انداز میں کہا اور میگزین نگاہوں کے سامنے کر لیا۔ محبت کی وجدان نے اسے اور بھی بے چین، ہراساں اور بزدل کر کے رکھ دیا۔ خاموشی سے بیلٹ باندھ لی۔

دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

☆ ☆ ☆

اسلام آباد میں انہوں نے ایک روز کے لیے کمرہ لیا۔ پھر شام کو ہی مری روانہ ہو گئے۔ موسم کافی ٹھنڈا تھا برف باری عروج پر تھی۔

موسم نے اثر دکھایا اور اسے کھانسی، فلو زکام نے آن جکڑا۔ مری آنے تک اس کا برا حشر ہو چکا تھا۔ طبیعت عجیب گری گری سی محسوس ہو رہی تھی۔

کمرے میں آ کر اسے خوشگوار حیرت کا احساس ہوا۔ تشکر سے ان کی جانب دیکھا۔

وہ سامان رکھ کر پلٹے پھر کہنے لگے۔

''دو بیڈ میں نے اس لیے لیے ہیں کہ تمہیں زکام اور کھانسی ہے اور میں بڑی حساس طبیعت کا مالک شخص ہوں۔ ویسے بھی ان کے اثرات جلد ایک دوسرے پر پڑتے ہیں۔''

ان کی بات پر اس نے تکلیف سے ان کی جانب دیکھا'' اس لحاظ سے تو آپ کو دو کمرے لینے چاہیے تھے۔ وہاج حسن! اتنی سطحی سوچ ہے آپ کی انتہائی خود پسند اور مطلب پرست، ہوس پرست شخص ہیں آپ۔ یہ تلاش تھی میری۔ نہیں۔ تو پھر یہاں آ کر ختم کیوں ہو گئی۔ اس لیے کہ

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

اب کوئی راہ باقی نہیں چھوڑی آپ نے چلنے کے لیے، آنکھوں میں پانی آ گیا اس کی آنکھیں بدستور جھکی ہوئی تھیں اب تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ بیماری کو غنیمت جان کر بستر میں پڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

پڑتے ہی اسے ہوش نہ رہا۔ صبح اسے تیز بخار تھا۔ وہاج حسن کے پکارے جانے پر وہ اٹھی اور نیم دراز ہو کر بیٹھ گئی۔

''ناشتا کر لو۔ رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا تھا پھر یہ دوا لے لینا۔'' انہوں نے دوا میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

اسے خواہ مخواہ اپنائیت کا احساس ہوا، بیماری میں انسان بے وجہ حساس ہو جاتا ہے اور پھر اس کی کیفیت تو عجیب ہو رہی تھی۔ بات بات پر رونا آنے لگا تھا۔ دل بالکل خالی ہو کر رہ گیا تھا۔

کاش وہاج حسن اس وقت آپ میرے شوہر ہوتے زندگی اسی ترتیب سے چل رہی ہوتی۔ کتنا اچھا لگتا ہے مجھے یہ سب کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہم پھر سے ایک ہو جائیں۔

اپنی ہی سوچ پر وہ خود پشیمان ہو گئی۔

''دوا لے لو۔ ہو سکتا ہے بخار کے ساتھ غصہ بھی اتر جائے۔'' کس احساس کے تحت وہ اسے دوا پلا رہے تھے۔ اس کے دل میں بے وجہ خوش گمانی نے جگہ لی۔ کیسی خوش گمانی تھی یہ حالانکہ سامنے تو سوائے اندھیرے کے کچھ بھی نہ تھا۔ بلکہ نقصان ہی نقصان تھا۔

''آپ کو اس سے کیا، میں جیوں یا مروں۔'' وہ رکھائی سے چہرا موڑتے ہوئے بولی۔

عورت بھی کیا شے ہے۔ مرد کی ذرا سی ہمدردی اور توجہ پر کتنی شانت ہو جاتی ہے اور مزید کی خواہش کرنے لگتی ہے۔ بے وجہ خوش فہم ہو جانے والی زندہ حقیقت عورت ہی تو ہے۔

''بات یہ ہے کہ میں ساری رات سو نہیں سکا۔'' وہ گھٹنوں پر زور دے کر کھڑے ہو گئے پھر اس کے لیے جگ سے پانی انڈیلا۔ احساس ندامت سے وہ کہنا چاہتی تھی مگر چپ رہی۔ وہ گلاس اور دوا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''تمہاری کھانسی نے مجھے بہت ڈسٹرب رکھا، اس لیے میں سو نہیں سکا۔''

وہ اپنی جگہ پر کانپ کر رہ گئی، پورے وجود میں جیسے آگ سی بھر گئی۔ ان کا ہاتھ پوری قوت سے جھٹک دیا گلاس اور دوا دور جا گرے۔

''نہیں چاہیے مجھے دوا نہیں چاہیے مجھے کوئی ہمدردی۔ زہر لا دیجیے مجھے، گلا دبا دیجیے میرا ایک بار ہی کیوں نہیں مار دیتے کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا کیا کیا تھا آپ کے ساتھ۔''

اور پھر نڈھال سی ہو کر ایک طرف کو لڑھک گئی وہاج ڈاکٹر کو لے آئے۔ ڈاکٹر نے انجیکشن دیا۔ دوا دی اور چلے گئے۔ شام تک اسے تقریباً ہوش آ گیا۔ وقت خاموشی سے سرکتا رہا۔

وہ بستر میں پڑی رہتی، وہاج ایسے ہی باہر گھوم پھر آئے۔ بخار بھی ختم ہو گیا تھا پھر نزلہ زکام کی شکایت بھی نہ رہی تھی مگر ہر وقت اعصاب پہ

تھکاوٹ کا گمان رہتا۔

دل کی عجیب حالت تھی۔ کبھی تیز تیز دھڑکنا شروع ہو جاتا کبھی اتنا آہستہ کہ اس کی آنکھوں کے آگے تارے سے جھلملا جاتے کسی بھی چیز میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔

وہاج کا موڈ سخت آف تھا جب ہی مسلسل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

آج آٹھواں روز تھا۔ اس کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا یہاں۔ وہاج باہر سے آئے تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی تھی۔ پچھلے دنوں کی بہ نسبت قدرے کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ صد شکر تھا کہ اس نے آٹھ دن میں لباس فاخرہ تو اتارا تھا۔ وہاج نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔

وہ پیکنگ کر چکی تھی۔ انہیں دیکھ کر کہنے لگی۔

''ہم گھر کب چلیں گے؟'' انتہائی ملول پژمردہ سا انداز تھا۔

''فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔'' انہوں نے قطعی سے لہجے میں کہا سامان کی پیکنگ دیکھ کر ان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔ اسے اپنا دل......ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔

''حسن! مجھے گھر لے چلیے۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' اس کی آواز بھیگتی چلی گئی۔

''کیا ہو رہا ہے۔ بظاہر تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔'' انہوں نے سرسری نگاہ سر تا پا اس پر ڈالی۔

''عورتوں کو ویسے بھی عادت ہوتی ہے بیماری کے بہانے کرنے کی۔'' وہ ناگواری سے بولے۔

''حسن! مجھے ایسا لگتا ہے جیسے۔ جیسے میرا دل کوئی کھینچ رہا ہو۔ مجھے پاپا کے پاس لے چلیے۔'' اس کی آواز مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔ انہوں نے چونک کر دیکھا اگر بروقت وہ آگے نہ بڑھتے تو وہ یقیناً زمین پر ڈھیر ہو جاتی۔

☆ ☆ ☆

تائی جان نے اسے دیکھتے ہی دل تھام لیا۔

''ارے ایسی پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ کیا ہوا تمہیں۔'' انہوں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا، اسے ان کی آغوش میں بڑا سکون ملا تھا۔'' اسے تو اب بھی بخار ہے۔'' وہاج کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کسی ڈاکٹر کو دکھایا تھا کہ نہیں۔''

''دکھایا تھا۔ دوا بھی لی تھی۔ طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی تھی اس لیے جلد واپس آنا پڑا۔'' انہوں نے مختصراً بتایا اور کمرے میں چلے گئے۔

''حد ہو گئی لاپروائی کی بھی۔'' بلقیس کو بیٹے پر زندگی میں پہلی بار شدید غصہ آیا تھا۔

''لو بھلا ڈاکٹر کو بھی دکھایا؟ دوا بھی لی ہو گئے فارغ۔ بچی کا حال دیکھو کیا ہو رہا ہے۔

کب سے ہے تمہاری طبیعت خراب؟ انہوں نے اس سے آہستگی سے پوچھا۔

''جی۔'' وہ کچھ بھی نہیں۔ بلقیس مسکرا دیں۔

''اچھا یہ بتاؤ۔ وہ تمہیں کہیں اونچی نیچی جگہوں پر تو نہیں لے گیا تھا۔'' وہ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ بلقیس کو یکا یک اس کی کیفیت کا خیال آیا۔ تو اسے پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں۔

''گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ خدا تمہاری گود ہری کرے۔ کل میں تمہیں مہتاب کے ساتھ کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گی۔ اب تم آرام کرو۔ اور ہاں کوئی سوچ نہیں لگانا ذہن سے۔ اللہ مالک ہے۔ سب کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔''

تائی جان کی بات پر اس کی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں اس نے سراسیمگی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ سب بھی ہونا تھا اس کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا۔ کیا ہوگا اب۔

وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ وہاج دوپہر کا کھانا کھا کر جو گئے تھے رات تک نہیں لوٹے۔

سمیعہ نے بتایا تھا کہ جرمنی سے پارٹی آئی ہوئی ہے بھائی گھر نہیں آئیں گے۔

اس پر ایک اور مصیبت آن پڑی۔ وہاج آجاتے تو وہ مسئلے کا حل تلاش کر لیتی۔ آج ہی فیصلہ ہو جاتا ان کی سوچ کیا ہے۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔ کیا کرنا ہے۔ سارا مسئلہ حل ہو جاتا۔ مگر وہ نہیں آئے تو اس کی فکرمندی میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ رات پریشانی اور اضطراب سے دعائیں مانگتے کٹی کہ خدایا ایسا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو اسے بہت بڑی قربانی دینا ہوگی اور ابھی تو یہ اس کا یک طرفہ فیصلہ تھا۔ جانے وہاج سن کر کیا کہیں اور کیا فیصلہ کریں۔

ناشتے کے بعد ہی مہتاب چچی آگئیں۔ اسے دیکھتے ہی ڈھیروں پیار کر ڈالا۔

''دیکھنا بھابی! بیٹا ہی ہوگا۔'' مہتاب چچی نے رازداری سے کہا تو بلقیس مسکرا دی۔

''اللہ دعائیں قبول کرے۔'' دونوں خواتین اسے لے کر گائناکالوجسٹ ڈاکٹر انجم ریاض کے پاس چلی گئیں۔

ڈاکٹر انجم سے مہتاب کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ بے تکلف سی فضا میں رسمی سی بات چیت ہوتی رہی پھر ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے کے لیے اندر لے گئیں۔ وہ بے حد خوفزدہ ہو رہی تھی۔

اسے لب کاٹتے دیکھ کر ڈاکٹر انجم نے اس کا گال تھپتھپایا۔ پھر مسکرا کر بولی۔

''آپ اتنا نروس کیوں ہو رہی ہیں۔ ٹیک ایزی۔'' ڈاکٹر نے اسٹیتھسکوپ اتار کر رکھا۔

''اچھا یہ بتائیں۔ یہ جو خواتین باہر بیٹھی ہیں۔ آپ کی کیا لگتی ہیں۔'' اسے مسلسل خاموش دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

''ایک میری ساس ہیں اور ایک چچی۔''

''اچھا تو پھر میں آپ کی ساس کو خوشخبری سناتی ہوں وہ دادی بننے والی ہیں۔''

حالانکہ اسے اس بات کا خدشہ تھا لیکن ڈاکٹر کے منہ سے سن کر لگا جیسے اچانک یہ خبر اس پر بم کی طرح پڑی ہو اس نے ہراساں ہو کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا جو کاغذوں پر فرفر کچھ لکھ رہی تھیں۔ اس کی شکل سے لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی رو پڑے گی۔

''آپ بالکل خوفزدہ نہ ہوں۔ پریشانی کی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ میں آپ کی ساس کو بلاتی ہوں۔'' ڈاکٹر انجم نے انٹرکام اٹھایا تو وہ فوراً بولی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''سنیں ڈاکٹر۔'' وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''آپ پلیز۔انہیں نہ بتائیں کہ میں ماں بننے والی ہوں۔'' انہوں نے انٹر کام رکھ کر حیرت سے اس کا منہ دیکھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' ڈاکٹر انجم کا لہجہ اور انداز یکا یک بدل گیا۔

آج کل کی لڑکیاں اپنی آزادی اور عیش کے باعث چاہتی ہیں کہ وہ جلدی ماں نہ بنیں۔ ہوسکتا ہے وہ بھی ان سے کسی غلط کام کی توقع رکھ رہی ہو۔

ماہم یکا یک ان کے چہرے سے بھانپ گئی کہ وہ اس کے بارے میں غلط رائے قائم کر رہی ہیں۔

''میرا مطلب ہے ڈاکٹر!'' وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔

''میرے شوہر بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں سب سے پہلے یہ خبر اپنے شوہر کو میں خود دوں اس کے بعد سب کو پتا چلے۔''

''وہ مجرموں کی طرح چہرہ جھکا کر معصومیت سے بولی تو ڈاکٹر انجم کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اتنا پیار کرتی ہیں آپ۔'' انہوں نے پین بند کرتے ہوئے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اینی وے۔آپ گھبرائیں نہیں۔میں نہیں بتاؤں گی۔''

''بائے دا وے۔آپ اپنے شوہر سے ہمیں ضرور ملایئے گا۔میں دیکھنا چاہتی ہوں، اتنی پیاری سی لڑکی کس خوش نصیب کو چاہتی ہے۔'' وہ بس خاموش رہی۔

''آپ یہ رپورٹ اور ٹیسٹ رکھ لیجیے، ہاں البتہ احتیاط ضرور کیجیے گا۔'' وہ چہرہ جھکائے ہدایات سنتی رہی، اور جب ڈاکٹر انجم نے بتایا کہ صرف کمزوری ہے، کچھ دوائیں اور بیڈ ریسٹ کے لیے کہا تو دونوں خواتین جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گھر لوٹتے ہوئے بلقیس نے مہتاب سے پوچھا۔''مہتاب تم نے ڈاکٹر کو تو نہیں بتایا کہ ماہم؟؟؟''

''ارے بھابی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔اور کیا ضرورت ہے ہمیں یہ بتانے کی اور پھر دیکھیں تو ماہم ویسی رہی ہی کب ہے۔کتنا تو بدل گئی ہے اور انشاءاللہ دیکھنا جب بچے ہو جائیں گے تو کیسے شکایتیں کیا کیا کرے گی۔آپ سے بچوں کی بھی اور بچوں کے باپ کی بھی۔''

مہتاب نے ہنس کر کہا بلقیس بھی مسکرا دیں۔ڈھیروں دعاؤں کے ہمراہ۔

☆ ☆ ☆

دو دن ہو گئے تھے۔ وہاج گھر نہیں آئے تھے۔ تائی جان اسے دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھیں، مہتاب چچی کو پھر بلا لیا۔

''مہتاب! مجھے لگتا ہے تمہاری ڈاکٹر کا دماغ خراب ہے۔ لڑکی کا حال تو دیکھو۔ کیا ہوتا جا رہا ہے۔ کل کلیم بھائی بھی کہہ رہے تھے کہ کسی اچھی سی لیڈی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

''توبہ ہے بھابی۔! آپ لوگ تو ناحق پریشان کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کھانا پینا تو دلہن کا اس لیے چھوٹا ہوا ہے کہ میاں صاحب جو گھر نہیں ہیں۔ بیٹے کو تو لتاڑتی نہیں ہو اور بہو کو ہر وقت تاڑتی رہتی ہو۔ بن گئیں ناں روایتی ساس۔''

مہتاب نے ہنس کر کہا۔

''کیا کروں۔ اس کے کاروباری جھنجٹ تو ازل سے ایسے ہی ہیں۔''

معاً وہاج حسن کمرے میں داخل ہوئے۔

''لو آ گیا۔ تم ہی سمجھا لو۔''

''السلام علیکم!'' انہوں نے مودب انداز میں حسب عادت سلام پیش کیا۔

''والسلام۔'' چچی چیخ کر بولیں۔

''شریف زادے! تم ہنی مون پر سے آ کر اس طرح غائب ہو گئے، جیسے لڑکی اغوا کر کے لے گئے تھے۔''

''چچی جان! بے تکلف ہوتے وقت بندہ بھی دیکھ لینا چاہیے۔'' فراج نے ہانک لگائی۔

''لو۔ بھیا بندے دیکھنا شروع کیے ناں۔ پھر تو کر لیے مذاق۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ اس کا دل بڑا ہے۔ اس کا دل پتلا ہے۔ اس کا دل لمبا ہے۔ اسے برا نہ لگے۔ اسے اچھا نہ لگے۔' وہ ایک سانس میں بولیں تو سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

وہاج حسن بھی ہنس دیے۔ نہیں۔ آپ مذاق کیا کیجئے۔ سچ میں ہرگز برا نہیں مانتا۔

آفس میں دراصل کچھ اچانک کام آن پڑا تھا، اس لیے اچانک غیر حاضری کی گستاخی پر معافی کا خواستگار ہوں۔'' اچانک انہوں نے شریری سے انداز میں کہا تو امی اور چچی کا غصہ ایک دم ہی اتر گیا۔

''اچھا، اپنے کمرے میں جاؤ۔ ماہم تمہیں بہت یاد کر رہی ہے۔ ہر پہر تمہارا ہی پوچھتی رہتی ہے اور اسے سمجھاؤ، کھایا پیا کرے۔ ورنہ مر جائے گی۔'' چچی کی بات پر انہیں شدید شاک لگا۔

''کیوں پوچھ رہی تھی وہ بار بار ان کے بارے میں۔'' وہ بے یقینی سی کیفیت میں کمرے میں داخل ہوئے۔ پہلی نگاہ اس پر پڑی۔ وہ نماز ظہر ادا کر کے اٹھی تھی۔ جاء نماز تہہ کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر چونک گئی، نگاہیں جھک کر ان کے قدموں سے الجھنے لگیں۔

وہ جو بار بار سمیعہ سے ان کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ کب آئیں گے، اب کس طرح ان سے بات کرے گی۔ وہاج حسن نے بھرپور نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ عجیب کترایا کترایا سا انداز تھا اس کا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اس کے انداز سے ذرا بھی نہ لگ رہا تھا، کہ وہ ان کا انتظار کر رہی ہوگی۔

وہ اس کے انداز پر الجھ کر رہ گیے۔

''گھر والے بتا رہے ہیں کہ تم مجھے یاد کر رہی تھیں۔'' انہوں نے اس کے مد مقابل جا کر عجیب چڑ چڑے سے انداز میں پوچھا۔

''جی۔'' وہ مختصراً کہہ سکی۔

''کیوں؟'' ان کا انداز تیکھا تھا۔

وہ اضطراب سے ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔ آنکھیں پہلے ہی اشک بہانے کے لیے تیار تھیں۔

اس کی خاموشی ناقابل فہم تھی۔ پھر اس کا رونا، عجیب سا انداز۔ وہ کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ پائے تھے، اس کی خاموشی پر جھنجھلا گیے۔

''کوئی وجہ بھی تھی یا یونہی پریشان کر رکھا تھا سب کو۔''

انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے اوپر کرتے ہوئے بے زاری سے پوچھا۔ وہ رو رہی تھی۔

''حسن۔ حسن۔ میں۔ ماں بننے والی ہوں۔'' وہ لب کاٹ کر بولی، اور اپنے ہاتھوں پر چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ دم بخود سے اسے کھڑے دیکھتے رہ گیے۔ یہ خبر ان کے لیے ایک دھماکے سے کم نہ تھی۔

کئی لمحے اس کی سسکیوں اور ان کی خاموشی کی نذر ہوئے۔ پھر وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھے۔ ان کی طویل خاموشی اسے بہت پر اسرار لگ رہی تھی۔

''گویا فیصلے کی گھڑی آ گئی۔'' وہ انتہائی پر سوچ انداز میں کافی دیر کے بعد بولے تھے۔ چہرا کسی بھی نرم تاثر سے عاری تھا۔

''کوئی بھی سفاک فیصلہ کرنے سے پہلے حسن! میرے بارے میں ضرور سوچ لیجیے گا۔''

وہ تڑپ کر ان کے سامنے آ گئی۔ ''اور کچھ نہیں میری زندگی کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' وہ روتے روتے ہی ان کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی۔

وہاج حسن اٹھے اور مضبوط قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیے۔ اس کا دوپٹہ ان کے قدموں سے لپٹ کر پیروں کی دھول بن گیا۔

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی امرت سمجھ کر پی لیں گے

ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہیں، گن کے جی لیں گے

جانے اس نے کیا کچھ کہہ دیا۔ شام تک وہ ان کا انتظار کرتی رہی۔ وہ کہاں چلے گیے تھے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اگر انہوں نے قبول نہ

کیا تو وہ اپنی ہی نظروں میں ذلیل ہو کر رہ جائے گی۔

☆ ☆ ☆

تائی جان اس کے کمرے میں آئیں تو اسے اندھیرے میں بیٹھا دیکھ کر ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ لائٹیں جلا کر اس کے پاس آ گئیں۔

''ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہو۔ جانتی ہو۔ زیادہ سوچنے سے آدمی تنہا ہو جاتا ہے۔ ہنسا بولا کرو۔ جھگڑا کرو۔ کیوں اکیلی بیٹھی رہتی ہو، یہاں سب تمہارے اپنے ہیں۔'' انہوں نے اسے اپنے سے قریب کر کے پیار کیا۔

کتنے پیار کرنے والے تھے اس کے چاروں طرف۔ اگر ان پیاروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ انتہائی مفاد پرست اور جھوٹی ہے تو اس پر تھوکنا بھی پسند نہ کریں۔ ہو سکتا ہے اس کی نادانی سمجھ کر اسے معاف کر دیں۔ ماں جیسی ساس۔ بہنوں جیسی نندیں بھائی۔ سب کچھ تو مل گیا تھا اسے، سوائے شوہر کے۔ مگر کچھ بھی اپنا نہیں تھا۔ جب تک شوہر اپنا نہیں تھا۔

''تائی جان! آپ لوگ مجھے چھوڑ تو نہ دیں گے۔ میں بالکل اکیلی رہ جاؤں گی۔ میں بہت تنہا ہوں آپ لوگوں کے بغیر۔'' وہ خدشوں سے لبریز بھیگے لہجے میں بولی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ اکیلی رہتی ہو ناں۔ اس لیے ایسا سوچتی رہتی ہو اور جانے کیا کیا سوچتی ہو۔ چلو اٹھو، باہر نکلو۔ وہ دیکھو سمیعہ اور فراج نے لان میں کتنے خوبصورت نئے پودے لگائے ہیں۔ تازہ ہوا میں رہنے سے صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اور دیکھو تو حلیہ کیسا خراب کر رکھا ہے۔ جانتی ہو روزانہ کلیم بھائی تم سے شام کو ملنے آتے ہیں۔ تمہیں خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور اداس دیکھ کر افسردہ، پھر بھی تمہیں ذرا دھیان نہیں۔

انہوں نے لاڈ سے ڈانٹا۔ اچانک پاپا کا خیال آتے ہی اس کی روح تک شانت ہو گئی۔

''میں آج پاپا سے ملنے خود جاؤں گی۔'' وہ جانے کس دھیان سے پلٹ کر خوشی سے بولی۔

''بالکل آیا جایا کرو۔ انہیں تو اور بھی خوشی ہو گی۔ تیار ہو جاؤ، وہاج آنے والا ہے اس کے ساتھ چلی جانا ورنہ میں ڈرائیور کے ساتھ تمہیں بھجوا دوں گی۔'' تائی جان پیار کر کے چلی گئیں۔

وہ وقت جو انتظار کرتے کرتے لمحوں سے صدیوں میں بدلتا جا رہا تھا، گھر جانے کے احساس سے پر لگا کر اڑنے لگا۔ وہ نہا کر نکلی۔ بال گیلے تھے، انہیں یونہی پشت پر کھلا چھوڑ دیا۔

کاسنی رنگ کے لباس میں وہ کسی چمن کا خوش رنگ پھول لگ رہی تھی۔ سادگی سے آئینے میں خود کو دیکھا۔ بھیگتی کاجل کی تحریر سارے سنگھار پر بھاری تھا۔ وہ افسردگی سے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

ڈرائیور کے ساتھ گھر آئی تو اسے معلوم تھا پاپا گھر میں نہیں ہوں گے، وہ ایک دو گھنٹے تنہا اپنے کمرے میں رہنا چاہتی تھی۔ ڈرائیور باہر سے ہی چلا گیا۔

پورچ میں وہاج حسن کی گاڑی دیکھ کر وہ حیرت زدہ بلکہ دم بخود رہ گئی۔ وہاج حسن یہاں کیوں آئے ہیں، کیا پاپا کو ساری حقیقت بتانے۔

"مائی گاڈ" اس نے خود کو سنبھالا۔ پاپا کو آگاہی دینا مسئلے کا حل تو نہیں تھا۔ اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔

الٰہی جان اسے سامنے سے آتا نظر آیا۔ اس نے سلام کیا۔ الٰہی جان نے گرمجوشی سے جواب دیا۔

سب ملازم اسے بڑی عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے تھے۔ جیسے اس کے سینگ نکل آئے ہوں...... کیا کھیل کھیلا تھا اس نے کہ ہر خاص و عام میں تماشا بن کر رہ گئی تھی۔

"بی بی جی! وہاج صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔"

"اچھا۔ کیا پاپا گھر پر ہیں؟"

"نہیں کلیم صاحب تو نہیں ہیں۔"

"تو پھر کس سے ملنے آئے ہیں۔"

"وہ ہارون صاحب کے ساتھ آئے تھے جی۔ ہارون صاحب کے کمرے میں بیٹھے ہیں۔" وہ کسی کام کی جلدی میں تھا کہہ کر چلا گیا۔

کیا وہ یہ معاملہ ہارون سے ڈسکس کریں گے۔

مائی گاڈ! وہ کس عذاب میں پھنس گئی تھی۔ وہ لرزتے وجود کے ہمراہ بمشکل تمام ہارون کے کمرے تک پہنچی۔ جانے ہارون کے کیا تاثرات ہوں گے یہ سب سن کر وہ دروازے کے باہر رک گئی۔

بار حیا سے ایک ایک قدم عذاب ہو رہا تھا۔ کاش، مرنا آسان ہوتا۔ اختیار میں ہوتا۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ذرا سا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ وہاج اور ہارون صوفے پر بیٹھے تھے، دونوں کی اس طرف سے پشت تھی۔

سینٹرل ٹیبل پر چائے کے ساتھ کافی لوازمات رکھے ہوئے تھے۔ خالی چائے کی پیالیوں سے ایسا لگتا تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ فی الوقت کمرے میں خاموشی تھی۔ اس کا موضوع کس مقام پر تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی، توقف سے وہاج کی آواز اس کے اس کے کانوں میں پڑی۔

"ایک تو سب سے زیادہ ڈاکٹر ہاشمی نے پریشان کر رکھا ہے۔ آئے دن چلے جاتے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔"

"جو میں نے تجویز بتائی ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔" ہارون نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہو رہا۔" وہاج کہہ رہے تھے۔

وہ حیران پریشان سی کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیا گفتگو ہو رہی ہے۔

"پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ بات اس طرح کھلے کہ وہ ایک دم شاکڈ نہ ہو۔ کیونکہ آج کل اس کی طبیعت ویسے ہی خراب ہے۔ کہیں الٹا نقصان نہ ہو جائے۔"

"بے فکر رہیے کافی مضبوط ہیں۔ کچھ نہیں ہوگا۔ صاف صاف بتا دیجئے کہ وہ کسی پرائمری اسکول کا سرٹیفکیٹ تھا جو اس نے جلا دیا تھا۔ طلاق

نہیں ہوئی ہے، نکاح بدستور قائم ہے، یہ محض ایک ڈراما تھا۔ البتہ دفاعی طور پر آپ ہیلمٹ اوڑھ لیجیے گا۔ مبادا سنتے ہی آپ کا سر نہ پھاڑ ڈالے۔''

اس بات پر دونوں کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا تھا۔

اور اسے یوں لگا تھا جیسے وہ گہرے پاتال میں جا گری ہو۔ اتنا گھناؤنا مذاق اس کے ساتھ۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ساحل سے آ لگی تھی مگر اپنی عزت کو نیلام کر کے...... یہ سر طے کیا تھا۔ نہیں نہیں۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔

''اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈالی گئی ہیں۔'' وہاج نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

''کیسی زنجیریں۔ کون سی زنجیریں۔ وہاج حسن'' یکلخت ہی سناٹا ٹوٹا اور وہ زخمی شیرنی کی طرح بپھر کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا سمجھ کر کیا آپ نے میرے ساتھ ڈراما اور ہارون! تم نے ان کا ساتھ دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور جانے کتنے لوگ شامل ہوں گے میری بے بسی پر پیچھے سے بیٹھ کر ہنسنے والوں میں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو جانے کتنے دن اور مجھے مقتل میں گزارنا ہوتے، بہت خیال ہے اپنی آنے والی اولاد کا۔ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے۔ میں تو انسان ہی نہیں تھی، میں تو بیوی نہیں ہوں آپ کی حسن! مجھے ذلیل کرتے رہے، اور ہنستے رہے، میں نے آپ کے ساتھ اپنی ہستی مٹا ڈالی۔ اور مجھے کیا ملا۔ تضحیک، ذلت، بے بسی، میں تو آپ کو ایسا زخم دے کر جاؤں گی حسن! کہ آپ یاد کریں گے۔ آپ نے سمجھا کیا تھا مجھے۔ ہاں۔ سارے کس بل نہ نکال دیے ہوں تو میرا نام بھی ماہم جاہ نہیں۔ صرف ایک شخص نے مجھے اتنی آسانی سے سب کے سامنے تماشا بنا کر ڈال رکھا تھا۔ یاد کرو گے حسن! کس پاگل سے واسطہ پڑا تھا۔ اب ماتم کرنا۔ اپنے آنے والے پر۔'' وہ گاڑی لے کر جو نہی نکلی۔

اس کے جارحانہ انداز پر الٰہی جان ٹھٹک گیا۔ سرپٹ ان لوگوں کے کمرے میں دوڑا۔ گاڑی کی آواز پر وہ بھی باہر آئے تھے۔

''وہاج صاحب! ماہم بی بی۔ آپ کی گاڑی لے گئی ہیں۔''

''کیا۔ کب۔'' دونوں ششدر رہ گئے۔

''وہ جی آئیں تو بالکل ٹھیک تھیں، آپ کے کمرے کی طرف گئیں۔ پانچ منٹ کے بعد واپس آئیں۔ بالکل ویسی ہی حالت تھی جیسے ان دوروں کے وقت ہوتی تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ میں نے پکارا بھی، پر رکیں نہیں۔ گاڑی میں چابی کیوں لگی چھوڑ دی تھی آپ نے؟'' الٰہی جان بتاتے بتاتے سوال پر اتر آیا۔ بڑے ملال کے ساتھ۔

اوہ مائی گاڈ۔ لگتا ہے اس نے ہماری گفتگو سن لی ہے۔'' ہارون نے کہا، پھر بولا۔

''مگر وہ آئی کیوں تھی یہاں''

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔'' وہاج جھنجلا گئے۔

''تم ایسا کرو گاڑی نکالو۔ الٰہی جان تم نے دیکھا وہ کس طرف گئی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر کی طرف آئے۔

''جی اس طرف۔''

''اس طرف، گویا گھر نہیں گئی۔''

''یہ گفتگو سن کر وہ گھر جا بھی کیسے سکتی ہے۔''

''آپ ایسا کریں گاڑی لے کر اس طرف نکلیں، میں ساتھ والوں کی بائیک لے کر آپ کے پیچھے آتا ہوں۔''

وہاج گاڑی لے کر نکلے۔ ہارون۔ ان کے پیچھے نکلا۔

''سنو۔ الہی جان! چچا آئیں تو انہیں کچھ نہ بتانا سمجھے۔''

''جی اچھا۔''

''اچھا کے بچے، تم سے یہ بھی کہا تھا کہ کسی کو نہ بتانا کہ وہاج بھائی آئے ہوئے تھے۔ اور جب ماہم آئی تھی تو ہمیں آ کر کیوں نہیں بتایا تم نے۔'' ہارون نے اسے بری طرح جھڑک کر پوچھا پھر اس کا جواب سنے بغیر نکل گیا۔

الہی جان حیرانگی سے ان کا منہ دیکھنے لگے۔ کیسی پر اسرار اور مبہم گفتگو کر رہے تھے وہ لوگ۔

وہاج نے گاڑی راستے پر ڈالی۔ ہارون ان کے پیچھے تھا۔ آگے سڑک تین اطراف چلتی تھی۔ اب گاڑی کس راستے پر ڈالی جائے، اتنا بڑا شہر ہے، جانے وہ کس سمت گئی ہے۔ وہاج نے گاڑی کی اسپیڈ ہلکی کرتے ہوئے فکر مندی سے سوچا۔ اگر وہ سیدھی جاتی تو ضروری نظر آتی۔ صرف پانچ منٹ کا ہی تو گیپ تھا ان کے نکلنے میں۔ لگتا ہے وہ دائیں بائیں کی سڑکوں کی طرف نکلی ہے۔ ہارون نے قریب آ کر کہا۔

''آپ ایسا کریں، اس طرف جائیں، میں اس طرف دیکھتا ہوں۔''

''آپ فکر مند نہ ہوں۔ وہ انشاء اللہ زیادہ دور نہیں نکلی ہوگی۔'' انہیں فکر مند دیکھ کر ہارون نے دلاسا بھی دیا۔

''ہاں۔ یقیناً ہم دونوں میں سے کسی ایک کو، وہ آگے جا کر مل سکتی ہے۔'' وہاج حسن نے تائید کی اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی۔ ہارون اپنی سمت نکل گیا۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ رات کی رنگینیاں اور روشنیاں سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ساتھ سڑکوں پر جوان ہونے لگی تھیں۔ دونوں طرف سڑک بہت مصروف چلتی تھی۔

لوگوں کے ہجوم میں وہ نگاہیں دوڑاتے جا رہے تھے۔

وہ تو شکر تھا کہ وہ گاڑی لے کر نکلی تھی۔ جس سے اسکی تلاش آسان ہوگئی تھی۔ ورنہ اتنے بڑے شہر میں اسے ڈھونڈنا بہت مشکل تھا۔ شاید حادثے کے بعد ہی کسی ہاسپٹل یا فلاحی ادارے سے اطلاع ملنے پر ہی پہنچ پاتے۔ وہاج کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں انکی بے بسی کا حال رقم کر رہی تھیں۔ ادھر ہارون کی بھی حالت کچھ صحیح نہیں تھی، آخر وہ اتنی جلدی نکل کدھر گئی تھی۔ دونوں کے ذہن میں بار بار یہی آ رہا تھا اور پھر اچانک ہی وہاج کا پاؤں یکلخت بریک پر پڑا۔

ان کی سفید نسان پیٹرول۔ ثناء ہاسپٹل کے آگے کھڑی تھی۔ انہوں نے ذرا آنکھیں سکیڑ کر تیز روشنیوں میں یقین کیا کہ وہ واقعی ان کی گاڑی تھی، یا کسی اور کی۔ نمبر دیکھنے کے لیے گاڑی ذرا ریورس کی۔ ان کے پیچھے آتی گاڑی۔ ان کی گاڑی سے ٹکرائی اور اس کے پیچھے ایک اور۔ آگے پیچھے کئی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے۔ ساتھ ہی ہارن کا شور۔ کانسٹیبل کی سیٹی۔ سارا ٹریفک جام ہوگیا۔

نمبران کی ہی گاڑی کا تھا۔ وہ پھرتی سے نکلے۔ لیکن کانسٹیبل کے ہمراہ۔ دوسرے افراد ان کے سر پر تھے۔ ایسی رش ڈرائیونگ اچانک بریکیں لگانا۔ پھر گاڑی کو بنا کسی اصول کے ریورس کرنا۔ انتہائی غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت تھی، جو کہ اس سے قبل ان سے سرزد نہیں ہوئی تھی۔

مگر آج انہوں نے ڈرائیونگ نہیں کی تھی۔ بلکہ اچھی خاصی احمقانہ حرکتیں بھی کی تھیں۔ جن سے نمٹنا ان کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان سے دس منٹ پہلے وہ ڈاکٹر انجم کے ہاسپٹل میں پہنچی تھی۔ لگتا تھا کسی کا خون کرنے آئی ہے۔ ڈاکٹر انجم اس کے تیور دیکھ کر دم بخود سی رہ گئیں۔

پچھلی بار وہ انتہائی خوفزدہ، اور ڈری سہمی سی لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

اور اب وہ انتہائی پر اعتماد، خودسر، اور اٹل ارادے کے ہمراہ ہاسپٹل میں آئی تھی۔

اس کی سرکشی اور جارحانہ انداز پر ڈاکٹر انجم بالکل نہ سمجھ سکیں کہ وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ اکیلی، اس وقت اور اس حال میں، یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ڈاکٹر انجم اپنے کمرے میں اسے مل گئی تھیں۔ ابھی چند منٹ قبل ہی وہ ہاسپٹل کا راؤنڈ لے کر آئی تھیں۔

اس نے اپنی کلائی سے سونے کی چاروں چوڑیاں اتاریں۔ اور ڈاکٹر کے سامنے میز پر ڈال دیں۔ جیسے بہت بڑی بازی لگانے آئی ہو۔

اور پھر وہ جو اس نے کہا، وہ ڈاکٹر انجم کے لیے ناقابل فہم۔ ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھا اگر وہ ان کی دوست کی بھتیجی نہ ہوتی تو وہ اس کا برا حشر کر کے رکھ دیتیں۔

انہوں نے اسے رسان سے اپنے پاس بٹھالیا۔ لیکن ان کا انداز انتہائی فیصلہ کن اور ہٹیلا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے۔

☆ ☆ ☆

وہاج حسن کا ٹریفک کانسٹیبل اور دوسرے افراد سے نمٹنا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اس قدر جھنجلائے ہوئے تھے کہ عالم طیش میں بات کیے جا رہے تھے، اس طرح بات بڑھتی جا رہی تھی۔ غصہ ان کی فطرت تو نہیں تھا۔ مگر اس وقت اس قدر غضب ناک ہو رہے تھے کہ بات سمٹنی مشکل نظر آتی تھی۔ ہر گزرتا لمحہ ان کی روح کھینچ رہا تھا۔ وہ اس قدر ہراساں پریشان اور فکر مند تھے کہ بات کو سلجھانے تک کا سلیقہ بھول گئے تھے۔ کتنی بڑی آزمائش میں ڈال گئی تھی وہ انہیں۔

سارا چین سکون ہوا ہو گیا تھا۔ شاید ان چند لمحوں میں ہی انہیں اسے دی گئی اذیت کا ادراک ہو گیا تھا۔ انہوں نے چکرا کر اپنا سر تھام لیا۔

”دیکھیے صاحب! میری وائف اندر ایمرجنسی وارڈ میں ہے اور اس وقت میری اندر شدید ضرورت ہے برائے کرم آپ لوگوں کا جو نقصان ہوا ہے اس کا بل بنا دیجیے۔ میں پورا کر دوں گا۔ آپ لوگ میرا وقت ضائع نہ کریں۔“ انہوں نے عاجزی سے کہا تو باقی افراد کے ہمراہ کانسٹیبل نے ان کی جان چھوڑی، کچھ لے دے کر۔

وہ آناً فاناً اندر داخل ہوئے، تیز تیز قدم اٹھاتے کوریڈور عبور کیا۔

''ایکسکیوزمی۔ مسز وہاج حسن آئی ہیں یہاں۔'' وہ ریسپشن پر کھڑی نرس سے مخاطب تھے۔

نرس نے رجسٹر کھول کر دیکھا۔ پھر بڑی رسانیت سے انکار کر دیا۔

''جی نہیں۔''

''مائی گڈنیس۔'' انہوں نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

''وہ ابھی تو آئی ہیں۔'' وہ بے چینی سے بولے۔

ڈاکٹر انجم ریاض بمشکل تمام اسے اپنے کمرے میں بٹھا کر باہر فون کرنے آ گئی تھیں کہ اسے پتا نہ لگے۔

وہ اس کا نمبر تو نہیں جانتی تھیں، البتہ مہتاب کو اطلاع کرنا ضروری تھا۔

''دیکھیے ان کی گاڑی کھڑی ہے باہر۔ وہ اندر ہی آئی ہیں۔''

''میڈم! یہ صاحب بہت پریشان کر رہے ہیں۔ مسز وہاج حسن کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔''

ڈاکٹر انجم کے ہاتھ جلدی جلدی ڈائل کرتے نمبروں پر رک گئے، انہوں نے فون واپس رکھا اور ایڑیوں کے بل گھوم کر دیکھا۔ اونچا لمبا، شاندار پرسنیلٹی کا مرد بے حد ہراساں و پریشان ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ آنکھیں تلاش میں سرگرداں تھیں۔ لب ضبط سے بھینچ رکھے تھے۔

آپ کیا لگتے ہیں ان کے؟'' ڈاکٹر انجم نے ان کا سراپا...... جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''میں ان کا شوہر ہوں۔'' میرا نام وہاج حسن۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''آئیے میرے ساتھ۔'' وہ ڈاکٹر انجم کے قدم سے قدم ملاتے ان کے کمرے میں پہنچے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ماہم، وہاج حسن کو دیکھ کر بپھر گئی۔

''کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ کیا لگتی ہوں میں آپ کی؟'' وہ شدت جذبات سے چلائی۔

اسے محفوظ دیکھ کر انہوں نے تشکر بھرا سانس خارج کیا اور ساتھ ہی پیشانی پر سے پسینے کے قطرے اپنی آستین سے صاف کیے۔

''میڈم! ایک گلاس ٹھنڈا پانی ملے گا۔'' وہ ڈاکٹر سے مخاطب تھے۔ پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے اطمینان پر وہ سرتاپا...... آگ سے بھر گئی۔

''میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔ سن لیا تم نے۔''

''ڈاکٹر، شوہر کے اطمینان اور بیوی کے غیض و غضب کو بڑی غیر یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ وہاج حسن کو پانی کا گلاس تھماتے ہوئے کہنے لگی۔

''وہاج صاحب! آپ کی وائف نے مجھے آدھے گھنٹے سے پاگل کر کے رکھا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ بار بار کیوں کہہ رہی ہیں کہ یہ بچہ ناجائز ہے۔''

''ناجائز۔'' وہاج کو ایک دم کرنٹ لگا۔

جب ساری بات اس نے سن لی تھی تو پھر یہ خرافات بکنے کی کیا گنجائش نکلتی تھی۔ انہوں نے تیکھے چتون سے اس کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! یہ ابنارمل ہیں۔'' انہوں نے پرسکون انداز میں بتایا تو ڈاکٹر حیران رہ گئیں۔

''میں ابنارمل نہیں ہوں۔'' اس نے پوری قوت سے اس بات کی تردید کی۔ ''ڈاکٹر! میں بالکل ہوش مند لڑکی ہوں۔''

''دیکھیے ڈاکٹر! کوئی ہوش مند لڑکی اپنے آپ کو اتنی گندی گالی دے سکتی ہے'' اسکے لفظ پر انہیں آگ لگ گئی تھی۔ ''ہم لوگ آپ کو بظاہر کسی اچھے خاندان کے ہی نظر آتے ہیں ناں۔'' ڈاکٹر تو اچنبھے سے ان کا منہ دیکھے جا رہی تھی۔

''اور دیکھیے گا ابھی یہ اپنے آپ کو کیا کیا کہیں گی۔ کہ میں انہیں طلاق دے چکا ہوں، اور جانے کیا کیا۔ ڈاکٹر! میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم لوگ کب سے ان کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں ایسے دوروں کی حالت میں تو یہ جانے کیا کچھ کر ڈالتی ہیں۔''

ڈاکٹر انجم، وہاج کی بات پر چکر کر رہ گئیں۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ۔ جھوٹا ہے ڈاکٹر آپ میری بات کا یقین کریں۔ یہ انتہائی مکار اور مفاد پرست ہے، دغاباز ہے، دوغلا ہے۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔

ڈاکٹر نے اس کی طرف ترحم سے دیکھا۔

''ڈاکٹر! آپ میری بات کا یقین کریں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، یہ نیم پاگل خاتون ہیں۔ اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ڈاکٹر ہاشمی سے فون پر بات کر کے پوچھ لیجئے۔ وہ شہر کے بہت بڑے اور مشہور ترین اسپیشلسٹ ہیں اور یہ ان کے زیر علاج ہیں۔''

''مائی گاڈ!'' ڈاکٹر کبھی اس کا، کبھی ان کا منہ دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر!...... ڈاکٹر! میں پاگل نہیں ہوں۔ مگر یہ آدمی مجھے پاگل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔ آپ اس کی کسی بھی بات کا یقین نہ کریں۔''

''مگر پچھلی بار جب یہ آئی تھیں تو بالکل ٹھیک معلوم ہو رہی تھیں۔'' ڈاکٹر وہاج سے مخاطب تھیں۔

''جی ہاں کبھی کبھی تو لگتا ہی نہیں کہ یہ پاگل ہیں کہ نہیں۔'' وہاج جلدی سے بولے۔

اور دیکھیے۔ انہوں نے اپنی سونے کی چوڑیاں اتار کر پیشگی یہاں ڈال دی ہیں، ادائیگی کے لیے۔'' ڈاکٹر انجم نے تاسف سے بتایا۔

''یہی سب سے بڑا ثبوت ہے انکے پاگل ہونے کا، اگر یہ صحیح الدماغ ہوتیں تو ان کا کام صرف ایک چوڑی کی ادائیگی سے بھی ہو سکتا تھا۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا۔ ہم یہاں یہ کرتے ہیں'' ڈاکٹر انجم ان پر چڑھ دوڑیں۔ وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

''میرا مطلب ہے میں ایک مثال پیش کر رہا ہوں، ان کے پاگل پن کی۔'' برا پھنسا ہوں یار آج انہوں نے ڈاکٹر کو ٹھنڈا کیا تو وہ آتش فشاں بن کر ان کی طرف جارحانہ انداز میں لپکی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''حسن! آئی کل یو۔ آئی کل یو۔'' اس نے ہذیانی سے انداز میں ان کا گریبان نوچ ڈالا۔

انہوں نے سختی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ لیے۔

مگر وہ آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی، انہوں نے دوسرے بازو سے اسے اپنے حلقے میں لے لیا۔ اس طرح کہ وہ بالکل بے بس ہو کر رہ گئی۔ بہت تیزی سے انہوں نے صورت حال کو کنٹرول کیا تھا۔

''سوری ڈاکٹر۔ ہماری وجہ سے آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری مدد کی۔''

''اینی وے۔ یہ تو ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے۔''

ڈاکٹر ابھی تک حواس باختہ تھیں۔ بس مسکرا کر یونہی کہہ دیا۔ ساتھ ہی چوڑیاں اٹھا کر انہیں دیں۔

''تھینک یو۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر چوڑیاں پکڑیں اور جیب میں ڈال لیں۔

اس نے شانے پر دھرا ہاتھ جھٹکا اور تیزی سے باہر نکلی۔ وہ اس کے پیچھے لپکے، دو قدم کے فاصلے پر چلتے ہوئے وہ گیٹ تک پہنچے باہر جا کر انہوں نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پھر اسے گاڑی میں دھکیلا۔

پھرتی سے لاک لگایا۔ گھوم کر دوسری جانب اندر آ گئے۔ اس نے پلٹ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ اسی رفتار سے انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور راستے پر ڈال دی۔

وہ ان کی حرکت پر جز بز ہو کر رہ گئی۔ نفرت سے ان کی طرف گھومی۔

''اگر آپ نے مجھے گھر لے جانے کی کوشش کی تو میں شور مچا دوں گی کہ آپ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ سنا آپ نے۔'' وہ پھنکاری۔

''میں کہتا ہوں اگر مزید تم نے تماشا دکھانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تماشا تو ہوگا۔ وہاج حسن ذرا دیکھنا۔'' اس نے کھڑکی کا شیشہ تیزی سے نیچے کر کے باہر کی طرف پکارنے کی کوشش کی۔ وہاج نے سختی سے اسے اپنی جانب کھینچا۔

''ماہم! میں کہہ رہا ہوں۔ یہ میرے ضبط کی آخری انتہا ہے، جب سب کچھ تم پر عیاں ہو ہی گیا ہے، تو پھر ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟''

''ان باتوں کا مطلب اتنی ہی تکلیف پہنچانا ہے آپ کو حسن۔ جتنی آپ نے مجھے پہنچائی ہے۔ بلاوجہ۔ کیا حق پہنچتا تھا آپ کو یہ سب کرنے کا۔''

''بات گھر جا کر بھی ہو سکتی ہے۔'' انہوں نے چیخنے چلانے پر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ ''مجھے پاگل سمجھ رہے ہو۔''

اس نے بری طرح بپھر کر اسٹیئرنگ پر سے ان کے ہاتھ ہٹائے، گاڑی بے توازن ہو کر ادھر ادھر ڈول گئی۔

''گھر تو اب میری لاش ہی جائے گی۔''

اگر وہ جلد قابو نہ پاتے، ایکسیڈنٹ کا یقینی احتمال تھا۔ وہ اس کی حرکت پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

ہارون نے بہت دور تک اسے تلاش کیا، پھر بائیک اپنے گھر کے راستے پر ڈال دی۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید وہاج کو وہ مل گئی ہوگی، اس لیے گھر سے فون پر رابطہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

’’ماہم! میری بات سنو!‘‘ ان کا انداز قائل کرنے والا تھا۔

’’نہیں سننا میں نے کوئی جواز۔ کوئی بکواس۔ صاف کہیے۔ بدلہ لیا ہے آپ نے اپنی بے عزتی کا مجھ سے۔ اتنے گھٹیا انداز میں۔‘‘

’’کوئی بدلہ نہیں لیا میں نے تم سے۔ یہ سب تمہارے لیے ضروری تھا۔‘‘ انہوں نے سختی سے تردید کی۔

’’اچھا۔ تو کوئی حسرت باقی رہ گئی ہے اب بھی وہ پوری کرنا چاہتے ہیں۔‘‘ وہ نفرت سے چلائی۔ ’’مگر اب حسرت حسرت ہی رہے گی۔‘‘

اس نے ڈیش بورڈ پر پڑا پھل کاٹنے والا۔ خوبصورت سا چاقو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ پر وہاج کا بھاری بھرکم ہاتھ تھا۔ سخت خشمگیں نگاہوں سے انہوں نے اس کی جانب دیکھا۔ گاڑی فل اسپیڈ سے رواں دواں تھی۔ مختلف شارٹ کٹس سے انہوں نے طویل راستہ عبور کیا تھا۔ جھٹکے سے گاڑی گھر کے آگے روکی۔ اسی انداز میں دروازہ کھولا۔

’’باہر نکلو۔‘‘ ان کے تیور سخت خراب تھے۔ اس کی مزاحمت پر اور بھی چراغ پا ہو کر رہ گئے۔

ہارون کے فون پر سب گھر والے پریشان ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فراج انہیں ڈھونڈنے ہی نکلنے والا تھا۔ وہ گاڑی سے نہیں نکلی۔ زبردستی باہر کھینچا۔

’’وہ آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔ لگتا تھا جب تک من میں آئی بات پوری نہ کرے گی، چین سے نہیں بیٹھے گی۔ اس کے اس عزم پر ان کے تن بدن میں انگارے سے لگ گئے تھے۔ بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔

’’بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ وہاج حسن! اپنے بچے کے لیے ناجائز کا لفظ سنتے ہوئے۔‘‘

’’بکواس بند کرو۔‘‘

سخت اشتعال میں آ کر اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

یکلخت ہی اس کا جنون، دیوانگی، اشتعال، چیخنا چلانا سب کچھ گم ہو گیا۔ اتنا بھاری ہاتھ پڑنے پر وہ چکرا کر رہ گئی۔ ایک لمحہ بھی اسے سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع دیے بغیر وہ اسے بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے کمرے کی جانب بڑے۔

’’وہاج بیٹا کیا کر رہے ہو۔‘‘ بلقیس سے بیٹے کی یہ سختی دیکھی نہیں گئی۔ تڑپ کر آگے بڑھیں۔

’’ہٹ جائیے امی راستے سے۔‘‘ وہ بپھر کر بولے۔

’’بیٹا تم جانتے ہو یہ اپنی حالت میں نہیں ہے۔‘‘ وہ بے بسی سے پکاریں۔

’’حالت میں تو لا رہا ہوں اسے۔‘‘ وہ سختی سے بولے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سب کے سامنے وہاج حسن کا یہ روپ بہت مختلف اور حیران کن تھا۔
کمرے میں لے جا کر بے دردی سے اسے بیڈ پر دھکیلا مڑ کر دروازے کا لاک لگایا پھر اسی غضب ناک انداز میں واپس پلٹے۔ وہ بیڈ پہ گرتے ہی بے اوسان ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ سارا وجود پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ اسے دیکھ کر دل کٹ گیا۔ سارا غصہ، تلخی، اشتعال ملال میں بدل کر رہ گیا۔ اس کے دائیں گال پر ان کی چاروں انگلیوں کے سرخ نشان واضح تھے۔ اتنے تھکے ماندے سے انداز میں اس کی جانب بڑھے جیسے ساری توانائیاں پچھلے چند لمحوں میں صرف ہو کر رہ گئی ہوں۔ ''آخر تم اتنی جذباتی اور جلد باز کیوں ہو۔'' جھک کر اس کے چہرے پر سے ملائمت سے بال ہٹاتے ہوئے پورے استحقاق اور اپنائیت سے پکارا۔

''ماہم!'' ان کی پوروں کے لمس پر وہ تڑپ کر سیدھی ہو گئی۔

ان کی جانب دیکھا۔ جیسے کوئی ضدی بچہ سزا پانے پر مظلومیت سے دیکھتا ہو۔

کیا کچھ تھا ان آنکھوں میں۔

کتنے تاثر تھے اس نچڑے ہوئے پانی میں۔

شکوے، وحشت، ضبط اور بے پناہ ٹوٹ کر رونے کی چاہت۔

بے اختیارانہ ہنسی ان کے لبوں پر بکھر گئی۔ کھینچ کر اسے اپنے سینے میں چھپالیا۔ ان کا قرب پاتے ہی وہ نئے سرے سے ان کی باہوں میں بکھرتی چلی گئی۔

جیسے پھول تیز ہوا کے آگے بے بس ہو کر پتی پتی بکھرتا چلا جاتا ہے۔ جیسے خوشبو مست ہو کر بے سمت راہوں پر رقص کرنے لگتی ہے، جیسے موجیں طوفان کے آگے سربسجود ہو جاتی ہیں۔ کئی لمحے یونہی اشک بہانے میں گزر گئے۔

''آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟''

''اگر ایسا نہ کرتا تو تم میرے ہی ظلم پر مجھ ہی میں پناہ لے کر نہ رو رہی ہوتیں۔''

ان کے لفظوں پر یکلخت اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو خود اپنے ہی آپ میں سمٹتی چلی گئی۔

''چھوڑیئے مجھے!'' ادھر ادھر نظریں چرا کر کہا انداز میں اب بھی خفگی کا تاثر تھا۔

''اگر چھوڑنا ہی ہوتا۔ تو اتنے چکر سے تمہیں حاصل ہی کیوں کرتا۔'' وجود کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کیا اور شرارت سے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' بے ساختہ ہراساں ہو کر ان کی جانب دیکھا۔ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی۔

''مطلب ان آنکھوں میں پڑھو۔'' جھک کر کہا۔ جن میں محبت کی تپش الاؤ دہکا رہی تھی۔

جذبات کا سمندر موجزن تھا۔

اور جانے کیا کچھ تھا۔ یکلخت ہی اس نے نگاہیں جھکالیں۔

"کیا بکواس ہے یہ!" ایسا لگتا ہے جیسے چہرہ ان کی آنکھوں میں تپش سے دہک اٹھا ہو۔ وہ اس کی کیفیت پر بہت محظوظ ہوئے دل کھول کر ہنسے۔ اس نے زبردستی ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے اور ان کے درمیان فاصلہ رکھا تھا۔

مگر وہ کب چھوڑنے والے تھے۔ اسی انداز میں اسی جذبے سے سرگوشی میں بولے۔

"اگر آنکھیں نہیں پڑھ سکتیں تو دل پر رکھے ہاتھ کے لمس سے محسوس کرو کہ وہ تمہیں کیوں پکار رہا ہے۔" ان کا انداز دھیما اور شریر تھا۔ وہ سخت جھنجھلا گئی۔

اگر ہاتھ ہٹاتی تو ان سے جا لگتی، ہاتھ رکھتی تو بھی قرب، برقرار رہتا تھا۔

اس سے دلکش نظارہ نہیں دیکھا میں نے

تیرے اختیار سے باہر میری پناہوں سے فرار

وہ مسکرائے۔ وہ اس قدر ہراساں تھی کہ تمام سوال وجواب کرنا بھول گئی تھی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر بھی بات کر سکتے ہیں۔" ساری ہمت مجتمع کر کے گزارش کی۔

"آں۔ ہاں۔ تمہیں فی الوقت چھوڑنا میرے اختیار میں نہیں۔" بھاری گمبھیر لہجے میں کہا۔

"پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔" جھنجھلا گئی، سخت چڑ کر پوچھا۔

"کچھ۔ کچھ۔" ان کا انداز شریر تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اور کس کی وجہ سے کر رہے ہیں۔" یک بیک پرانے انداز میں لوٹ آئی۔

"اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو میری حالت پر رحم کرتے۔ ایک دن بھی ترس آیا آپ کو میری حالت پر، میرے رونے پر، کیسی محبت تھی یہ، جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں یوں اذیت میں رکھا جاتا ہے کیا؟ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ تماشا بنوا کر ہنسا جاتا ہے۔"

وہ غصے اور ناراضگی سے بولتے بولتے ایک دم چپ ہوئی تو وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ پھر اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولے۔

"جن سے محبت ہوتی ہے ناں ان کے ساتھ سب کچھ کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور پھر محبت کا اظہار بھی ٹوٹ کر کرنا جانتا ہوں۔"

انہوں نے مسکرا کر شوخی سے کہا۔ تو وہ اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی۔ خفت سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

"زبردستی اظہار محبت کروایا آپ نے مجھ سے۔" اس نے اس قدر شکوے سے دیکھا، جیسے ساری جمع پونجی انہوں نے زبردستی چھین لی ہو۔

"جی۔ جناب۔ مجھے بھی ضد ہو گئی تھی کہ اب محبت کا اظہار تمہاری طرف سے ہی ہوگا۔ ورنہ کہانی یونہی چلتی رہے گی اچھا ہوا۔ یہ محبت کی زنجیر تمہارے پاؤں میں جلد پڑ گئی۔ ورنہ تمہیں مقتل سے رہائی کبھی نہ ملتی۔"

انہوں نے پیار سے گھور کر لفظوں پہ زور دے کر کہا۔ تو وہ تحیر سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ پھر انتہائی سنجیدگی اور قدرے سختی سے پوچھا۔

''اور کون کون شامل ہے اس کھیل میں۔''

اس کے بے لچک رویے کا ان پر خاطر خواہ کوئی اثر نہ تھا انتہائی سکون سے مسکرا کر بولے۔

''ہارون اور ڈاکٹر ہاشمی۔''

''واٹ ڈاکٹر ہاشمی!'' اسے گویا کرنٹ لگا تھا۔

''تم نے انہیں بیوقوف بنایا۔ انہوں نے تمہیں، درمیان میں ہم جیسوں کا کام نکل گیا۔'' انہوں نے سرشاری سے ہیڈ لائن دی۔ پھر اس کی آنکھوں میں بے پناہ تحیر اور سوالات رقم دیکھ کر خود ہی تفصیل سے بتانے لگے۔

''ماہم! تمہیں یاد ہے۔ ایک روز میں نے تم سے کہا تھا کہ تم پاگل نہیں ہو۔ تو کامل یقین کے ساتھ کہا تھا۔ پھر اسی روز میں ڈاکٹر ہاشمی سے ملنے گیا۔ چچا نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارا علاج انہی سے ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر ہاشمی کے سامنے میں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ انہوں نے حیرانگی سے پوچھا کہ میں نے کس طرح اندازہ لگایا کہ تم نارمل ہو۔ شاید وہ میری سوچ تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے، میں نے وجہ بتائی کہ تمہاری آنکھیں ویران نہیں ہیں۔ سوچتی ہیں۔ الجھی الجھی...... سی معلوم ہوتی ہیں۔ آخر کیوں؟''

''ہونہہ'' انہوں نے پرسوچ انداز میں گہرا سانس خارج کیا اب کی بار ان کے انداز میں حیرانگی نہیں تھی ایسا تاثر تھا جیسے وہ کسی صحیح راہ کا تعین کر کے اصل مقام پر پہنچ گئے ہوں۔ مجھ سے کہنے لگے۔ ''آپ کے علاوہ کسی اور فرد نے ایسا نہیں سوچا۔ اس کا مطلب ہے آپ اس لڑکی میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔'' بات تو صحیح تھی مگر میں خاموش رہا۔

کہنے لگے۔'' وہ ہر وقت اس کیفیت میں نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو میری نگاہوں سے نہیں بچ سکتی تھی بائی چانس ایسا ہوا ہے کہ آپ نے اسے سوچتے ہوئے دیکھا اور راز پالیا۔ یہ اتفاق بھی ہے اور آپ کی ذہانت بھی۔ لیکن میں کسی نتیجے پہ پہنچنے سے قبل ایک بار اچانک اس لڑکی سے ملنا چاہوں گا۔''

پھر اچانک وہ ایک روز تمہارے گھر آئے۔ شاید تمہیں یاد ہو۔ انہوں نے غیر محسوس انداز میں تمہارا عمیق جائزہ لیا اور اسی روز تمہاری شادی کا شوشا چھوڑ دیا۔

ان کی دلچسپی اپنے کیس کو حاصل کرنے کی طرف ہی تھی اور ان کا خیال تھا کہ تم کسی سے محبت کرتی ہو اور فی الوقت اس کے انتظار میں دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو۔

انہوں نے بتایا بالکل ایسا ہی کیس پچھلے دنوں اس کے پاس آیا تھا۔ لڑکی کسی بیوروکریٹ کی بیٹی تھی والدین کہیں اور شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر لڑکی جس شخص کو پسند کرتی تھی۔ وہ جیل میں تھا۔ عارضی سزا کی رہائی تک لڑکی نے پاگل پن کا ڈھونگ رچائے رکھا۔

رہائی سے کچھ دن قبل وہ مجھ سے ملی۔ اس نے دیانت داری سے اپنا مسئلہ میرے سامنے رکھا۔ اور مجھے اس بات کا یقین بھی دلایا کہ وہ جس سے محبت کرتی ہے وہ بے قصور ہے۔ اسے کسی سازش کے تحت گرفتار کرایا گیا تھا۔ والدین اسکی پسند پر متفق نہیں تھے۔ اسلیے دلبرداشتہ ہو کر اسے یہ کھیلنا

پڑا اب وہ لوگ کورٹ میرج کر لیں گے۔ لڑکے اور لڑکی کی شدت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر وہ ایک دوسرے کے نہ بن سکے تو خودکشی کر لیں گے۔

اگر میں سارا سچ ان کے باپ کو بتا دیتا تو لڑکی کا باپ بہت بری طرح مشتعل ہو کر کچھ بھی کرا سکتا تھا۔

اس لیے میں نے لڑکے کا اچھا بیک گراؤنڈ اور کریکٹر دیکھتے ہوئے ان کے والدین کو مختلف حیلے بہانوں سے قائل کر کے دونوں کی محبت کا باضابطہ اور مہذب اختتام شادی کے ذریعے کرایا۔

ڈاکٹر سے یہ کہانی سن کر میرے دل نے گواہی دی کہ تمہارے ساتھ یہ مسئلہ نہیں ہے۔ مگر یہ میری خوش فہمی تھی۔ اس لیے میں خاموش رہا۔

اور ہارون کا اس کہانی میں شامل ہونا ضروری اور انتہائی ضروری ہو گیا۔ کیونکہ وہ تمہیں بچپن سے جانتا تھا۔ اور وہی یہ معمہ حل کرا سکتا تھا۔

ڈاکٹر کا خیال تھا کہ تم ان سے ملنے کی کوشش کرو گی لیکن ہارون اور میری مشترکہ کوشش سے تم ڈاکٹر سے نہیں مل پائیں۔ ہارون نے ڈاکٹر کو یقین دلایا کہ ایسا ہرگز کچھ بھی نہیں ہے تم اس طرح کی لڑکی ہو ہی نہیں۔ ہاں البتہ اس واقعہ سے قبل تمہاری شادی کا جو مسئلہ چلا ہوا تھا۔ ہارون نے ڈاکٹر کے سامنے رکھا جس سے یہ ظاہر ہوا کہ شادی سے فرار حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہی ہو تا کہ کسی کے انتظار کے لیے ظاہر ہے یہ لاتمنائی کہانی تھی اور اس کا اختتام اسی طرح ممکن تھا کہ تمہاری سوچ کو نظر انداز کر کے تمہاری شادی کر دی جائے۔ میں تمہارا طلبگار تھا۔ ازل سے تمنائی تھا۔ یہ سب کچھ بجائے تمہیں بتانے کے مجھے ڈاکٹر کو بتانا پڑا۔

ہارون نے بحیثیت تمہارا بھائی ہونے کے مجھے اس رشتے کے لیے دل سے قبول کیا۔ بے حد خوشی کے ساتھ اور میرا ساتھ دیا۔ ہارون کو تمہاری بیوقوفی پر غصہ بھی آیا تھا اور ہنسی بھی، اس کا خیال تھا کہ اگر تمہیں کوئی کنفیوژن تھی تو تمہیں ہارون سے ڈسکس کرنا چاہیے تھی۔ یقیناً وہ تمہاری مدد کرتا۔ اب تمہاری سزا یہی ہے کہ بہت اچھے سے بندے کے ساتھ تمہاری شادی کر دی جائے۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ بات بھی نہ کھلے اور میں ہی تمہارے حصے میں آؤں۔ کول مائنڈڈ بندے کا انتخاب ضروری رکھ دیا گیا مہم کامیاب ہو گئی۔'' انہوں نے فتح مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور کوئین میری نیت میں آ گئی، مگر جس روز تم میرے آفس میں آئیں اور جو کچھ تم نے مجھے کہا۔ اس سے میں وقتی طور پر بے حد مشتعل ہوا۔

میرے اندر تمہارے لیے انتقام کا جذبہ ابھرا۔ میں تو تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ لیکن محبت سب سے طاقتور جذبہ ہے۔ انتقام کے جذبے پر حاوی آ گیا۔ اور میں سوچنے لگا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ اتنے مرد تمہاری زندگی میں آئے اور کوئی بھی تمہیں رام نہیں کر سکا۔ اس بات کا میرے پاس کوئی جواب کوئی حل نہیں تھا۔ ڈاکٹر ہاشمی سے اسپیشلی اسی سلسلے میں ملنا پڑا۔ ان سے ملتے ہی سارا مسئلہ سلجھ کر رہ گیا۔

انہوں نے کہا ایک لڑکی کے لیے اپنے جنون ساتھی کا انتخاب اس وقت مشکل ہو جاتا ہے جب اسے بے جا اختیارات دے دیئے جائیں۔

لیکن یہاں اختیارات کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس لڑکی کا کوئی آئیڈیل ہے ہی نہیں۔

اسے چاہنے والے بہت ملے لیکن وہ بھی کسی کو چاہے اسی شدت سے، وہ اس چیز کی خواہاں ہے۔ اس لیے آپ کو اپنی محبت چھپا کر رکھنا

ہوگی۔ کیونکہ اسے ہمیشہ بن مانگے ملا ہے۔ اس لیے وہ اس احساس سے عاری ہے کہ طلب کیا ہوتی ہے۔۔۔۔۔اگر وہ یہ احساس پہلے ہی پالیتی تو شاید بہت پہلے سے اپنی منزل مل جاتی۔

ضروری نہیں ہوتا محبت سچی ہو تو دلوں کو اسیر کرے خاص طور پر لڑکیوں کے لیے کیونکہ وہ تو جھوٹے بہلاووں میں بھی آجاتی ہیں۔ یہ لڑکی مختلف ہے اور خود کو رکھ کر بھول گئی ہے۔ اسے اپنی نسوانیت پر اپنی خود اعتمادی پر بہت غرور ہے۔ اس لیے کوئی بھی اس کی انا کا حصار نہیں توڑ سکا۔

یہ احساس اگر شوہر بن کر توڑا گیا تو اسے اپنی پامالی کا احساس کبھی بھی نہیں ہوگا۔ وہ اس قدر ٹوٹ کر بھی نہیں بکھرے گی۔ اس کی انا کی کرچیاں کرنے کے لیے اسے بے وقعت اور بے مایہ کرنا ہوگا۔ پاش پاش ہوتے ہی وہ عام سی لڑکی ہوگی۔''

وہ لب بستہ انہیں دیکھے جارہی تھی۔

''اسکے علاوہ بھی بہت سے طریقے تھے تمہیں بے وقعت کرنے کے لیے، مگر ایک گھر اور منظم ماحول میں رہتے ہوئے ایسا کرنا بہت مشکل اور ناممکن تھا۔ اسی لیے میں نے وہی لمحے استعمال کیے جن کا مجھ سے کوئی حساب نہیں لے سکتا تھا۔ اور نہ ہی جن کے بارے میں تم کسی کو بتا سکتی تھیں۔'' انہوں نے شرارت سے کہا۔ پھر سرشاری سے بولے۔ ''یہاں بھی تیر نشانے پر لگا۔'' وہ انہیں گھور گھور کر دیکھے جارہی تھی۔ تندی سے بولی۔

''آپ کی جیت میں سارا عمل دخل میری حماقت کا ہے۔ بڑا ملال ہوا تھا اپنی حماقتوں پر۔ اگر میں طلاق نامہ کھول کر دیکھ لیتی تو؟'' وہ اس کے غصے پر قہقہہ لگا کر ہنسے۔

یہ بھی رکھا تھا ہم نے دھیان میں

تیر پلٹا اگر نشانے سے!!

انہوں نے بے ساختہ شعر پڑھا۔ پھر کہنے لگے۔

''مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم کھول کر نہیں دیکھو گی۔ تم جیسے جذباتی لوگ اس لیے دھوکا کھاتے ہیں کہ ان کی عقل کو غصہ کھا چکا ہوتا ہے اور پھر تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ اس لیے مجھے امید تھی چھٹکارے کا پروانہ لے کر تم خوش نہ سہی مگر مشتعل بھی نہیں ہوگی۔ اور دوسرے یہ کہ تمہارے لیے یہ اقدام بالکل غیر یقینی اور فوری تھا۔ اس لیے جب تمہیں سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع ملا۔ وہ کاغذ جل چکا تھا۔'' انہوں نے لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہا۔

''آئے بڑے کہیں سے۔ دوغلے نہ ہوں تو۔ اگر میں سب کو ساری حقیقت بتادوں تو پتا لگے گا آپ کو۔''

''ایسا ہرگز نہ کرنا۔'' انہوں نے جلدی سے زور دے کر کہا۔

''جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔ اگر راز طشت از بام ہوا تو تمہاری قدر و منزلت اس گھر میں وہ نہیں رہے گی جو تھی۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی تمہیں طعنہ مل سکتا ہے کہ تم اول درجے کی ڈرامہ باز ہو۔ پھر اس بات کے بعد لوگوں کو دکھ علیحدہ ہوگا اور جو دکھ تم دے چکی ہو اس کا ازالہ تو کسی طور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے بہتر ہے بتدریج ٹھیک ہو کر زندگی خوش اسلوبی سے گزارو۔

تمہارے ٹھیک ہونے پر تو جشن منایا جا سکتا ہے۔ راز منکشف ہونے پر نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''اس لیے کہتے ہیں۔ زندگی کے معاملے میں جو لوگ غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔ دکھ اٹھاتے ہیں۔''

''اور جو لوگ حد سے زیادہ سنجیدہ ہوتے ہیں وہ دوسروں کو دکھ دیتے ہیں۔'' وہ کلس کر بولی۔

''جناب وہ محتاط ہوتے ہیں۔'' وہ اترائے۔

''مگر مجھے محتاط لوگوں پر یقین نہیں رہا ہے۔ ہم دوبارہ نکاح کرائیں گے پھر ساتھ رہیں گے۔'' اس نے منہ پھلا کر خفگی سے کہا۔

''مجھے منظور ہے۔ دوبارہ نکاح کے بعد ہنی مون پر جانے کا چانس تو پکا ہے نا!'' وہ جوش سے بولے۔ پھر منہ بنا کر کہنے لگے۔

''ویسے بھی پچھلی دفعہ تم نے مجھے بور ہی کیا تھا۔ بیماری کا بہانہ بنا کر۔''

وہ بار حیا سے سرخ ہو گئی۔

''تہمت لگاتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔'' نظریں چرا کر بولی۔

''شرم تو لڑکیوں کے وصف ہیں۔ بقول تمہارے میرا ان سے کیا تعلق۔'' وہ ڈھٹائی سے قہقہہ لگا کر ہنسے۔ پھر اس پر جھکتے ہوئے بولے۔

''چلو گی ناں ہنی مون پر۔'' ان کی بے اختیاری پر وہ تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے حیا اور جھنجھلاہٹ سے بولی۔

''میں آپ کا سر پھاڑ ڈالوں گی۔''

''ہونا پھر پگلی۔'' فرط جذبات سے چور ہو کر انہوں نے سرگوشی سے کہا۔ اور اپنا تمام تر استحقاق استعمال کرتے ہوئے اسے بانہوں سے آزاد کر دیا۔

اور وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے سوچ رہی تھی واقعی نکاح ایک اٹوٹ اور پاک بندھن ہے۔ اور اس کی برکت اور تقدس سے میرے دل میں وہاج کے لیے محبت کے سوتے جاگے ہیں۔ اس رشتے کے سامنے تمام تعلق بے معنی اور مادی ہیں۔

☆ ☆ ☆

ختم شد

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com